لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

تعلیم القرآن

از: مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

اولیاء اللہ

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون ۔ — یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر قیامت کے دن نہ خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے، یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔

جو لوگ اللہ کی اطاعت اور رسول کی پیروی کے ذریعے اللہ کے پیارے بن جاتے ہیں وہ اللہ کے ولی کہلاتے ہیں۔ اللہ کے ولی کی پہچان یہ ہے کہ وہ دین کا پیرو ہو، خدا اور رسول کی ہر بات مانتا ہو۔ خدا نے فرمایا:

ان اولیاءہ الا المتقون (انفال) — تقویٰ والے ہی خدا کے دوست ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا دوست اللہ اور نیک کام کرنے والے مسلمان ہیں۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں، کہ کچھ لوگوں نے اللہ کی محبت کا دعویٰ کیا، تو ان کے امتحان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ — اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

مطلب یہ ہے کہ رسول کی پیروی ایک کسوٹی ہے جو اس پر پورا اترا وہ اللہ کا ولی ہے اور جو اس سے الگ ہے اس کو ہرگز ہرگز اللہ کا ولی نہ سمجھو، اس کی باتوں پر بھروسہ نہ کرو اور اس سے اپنا دل نہ لگاؤ۔

حضرت جنید بغدادیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے فرمایا: "مخلوق پر تمام راستے بند ہیں، سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلے۔"

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "میں تمہیں خدا کے تقویٰ اور شریعت کی پابندی کی وصیت کرتا ہوں۔"

حضرت خواجہ محمد معصومؒ بھی ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے کہا: "جس کا عمل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق نہیں اور نہ وہ شریعت کا پابند ہے اس سے دور رہو" فرمایا: "ہمارا کام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہے۔"

اللہ کا ولی وہی ہے جو دین پر عمل کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیرو ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ اللہ کا ولی نہیں ہے۔

اچھی صحبت

واتبع سبیل من اناب الی (لقمان) — اور جو میری طرف مائل ہوا اسکی راہ چلو۔

نیک آدمیوں کی صحبت آدمی کو اچھا بنا دیتی ہے، اسی لئے خدا نے فرمایا: "جو لوگ میری طرف مائل ہیں، میری عبادت کرتے ہیں، اور میری باتیں مانتے ہیں تم بھی انکی پیروی کرو اور ان کا ساتھ اختیار کرو۔"

اچھے اور نیک آدمیوں سے ملنا بھی نیکی اور ثواب کا کام ہے، حضورؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی نیک بندے سے ملنے کے لئے چلتا ہے تو ایک پکارنے والا آواز لگاتا ہے "تو بھی اچھا ہے اور تیرا چلنا بھی مبارک ہے، تو نے اپنا گھر جنت میں بنا لیا۔"

حضرت عمرؓ مدینہ سے کسی قدر دور رہتے تھے، اس لئے روزانہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتے تھے، اس لئے یہ کرتے تھے کہ ایک دن خود آتے تھے اور دوسرے دن اپنے اسلامی بھائی حضرت عتبانؓ کو بھیجتے تھے، تاکہ ان کے ذریعہ حضورؐ کی باتیں معلوم ہو جائیں۔

قرآن کا ادب

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا — اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔

قرآن پڑھا جائے تو دوسری باتوں کا خیال چھوڑ دو، چپ رہو، دوسرے کاموں کی طرف دھیان نہ لگاؤ، بلکہ مطلب ذہن میں لاؤ، اگر معنی نہیں سمجھتے ہو تو ادب کے ساتھ قرآن سننے کا ثواب تو مل ہی جائے گا۔

نماز میں یا کسی اور جگہ کلام مجید پڑھا جائے تو خاموش ہو کر غور سے سنو، اس طرح خود بھی (قرآن کا سمجھنا اس سے بڑا قرآن کا ادب ہے۔)

محسنِ انسانیت نے فرمایا

عدل و حکمت

★ جو باوجود قدرتِ انتقام غصہ ضبط کر جائے، خدا اس کے قلب کو اطمینان سے معمور کر دیتا ہے۔

★ سب سے زیادہ تحمل والا وہ ہے جو دشمن کو گرفت میں لانے کے بعد عفو و درگزر سے کام لے۔

★ اگر کسی کو غصہ آ جائے تو اسے چاہئے سکوت اختیار کرے۔

★ جس میں رفق و لینت (مہربانی و نرمی) نہیں وہ گویا تمام خوبیوں سے محروم ہے۔

★ یہ مت کہو کہ لوگ ہم سے اچھا برتاؤ کریں گے تو ہم ان سے اچھا برتاؤ کریں گے وہ زیادتی کریں گے تو ہم بھی زیادتی کریں گے، بلکہ اپنی ایسی روش بناؤ کہ لوگ تم سے اچھا برتاؤ کریں تو تم ان پر احسان کرو، اور اگر وہ تم سے برائی کریں تو عفو و درگزر سے کام لو۔

★ برائی کا جواب بھلائی سے دو۔ نیکی کی قوت سے بدی کی قوت پر غلبہ حاصل کرو۔

★ برے لوگ اپنی برائیوں سے باز نہیں آتے تو اچھے اپنی اچھائیاں کیوں چھوڑیں۔

★ نیک ہمنشین کی مثال مشک والے کی سی ہے کہ اس سے کچھ نہ ملے گا تو خوشبو تو ضرور پہنچے گی۔ برے ہمنشین کی مثال دھونکنی کی سی ہے، اگر سیاہی نہ لگی تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔

★ جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔

★ قابل رشک وہ ہے جسے مال دیا گیا اور مال کو مناسب طریقہ پر خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا ہوئی۔ قابل رشک وہ ہے جسے عقل بخشی گئی اور وہ اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتا ہے۔

★ نفس ایک وحشی جانور ہے اسے شکر کی زنجیروں میں باندھ کر رکھو۔

★ ایسی نعمت کسی کو نہیں دی گئی جو صبر سے بہتر اور عظیم الشان ہو۔

★ عبادت میں زیادتی اپنی طاقت کا لحاظ کر کے کرو۔

★ صحت کی حالت میں نیک کام کرنا بیماری کے زمانہ کے صدقہ و خیرات سے افضل ہے۔

★ دانا وہ ہے جو اپنے کو چھوٹا سمجھتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو مرنے کے بعد کام آئے۔

★ تدبیر جیسی کوئی دانائی نہیں۔

★ تواضع سے درجہ بلند ہوتا ہے۔

★ جنت کے [illegible]

★ دنیا کو چھوڑ دو تاکہ وہ تمہاری طرف رغبت سے آئے۔

★ مجلسیں امانت سے قائم ہیں۔

★ بہتر توشۂ آخرت پرہیزگاری ہے۔

★ محبت آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

★ جو کچھ تمہارے حصے میں آئے اس پر قانع ہو جاؤ تو تم تونگر ہو جاؤ گے۔ تمہارا دل غنی ہو جائے گا۔

★ نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت پکڑے۔

★ آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

★ جب تم میں سے کوئی اپنے سے اونچے کی طرف دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے سے غریب کی طرف بھی دیکھے۔

★ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز اس کے لئے فائدہ مند نہ ہو اسے ترک کر دے۔

★ اچھے آدمی مانند ان سو اونٹوں کے ہیں جن میں سے ایک ہی سواری کے لائق ہوتا ہے۔

★ زیادہ گوئی سے بڑھ کر کوئی چیز آدمی کے لئے بری نہیں۔

★ جسے اس کے عمل نے پیچھے کی صف میں دھکیل دیا نسب اسے اگلی صف میں نہیں لا سکتا۔

★ میرے پاس حسب نسب لے کر نہیں اعمال لے کر آؤ۔

★ خدا کے نزدیک اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے چاہے وہ تھوڑا ہی ہو۔

★ جب رشوت دروازے سے داخل ہوتی ہے تو امانت کھڑکی کی راہ نکل جاتی ہے۔

★ تعلیم دو، آسانی کا لحاظ رکھو، دشواری نہ پیدا کرو۔

★ خوشحالی زندگی گزارنے کا نام نہیں، بلکہ دوسروں کو بہتر جاننے اور سچائی کو روزگار بنانے کا نام ہے۔

★ آدمی آپس میں ایسے ہی ہیں جیسے کنگھی کے دندانے۔

★ دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا تم پردیسی ہو۔

★ آدمی اکثر گناہوں کا مرتکب زبان کی وجہ سے ہوتا ہے۔

★ بلا اکثر بولنے سے آتی ہے۔

★ لوگ سو رہے ہیں۔ مرتے ہی جاگ اٹھیں گے۔

★ [illegible]

لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۶ | ۱۰ نومبر ۷۸ء | ۸ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ | شمارہ ۱

چندہ سالانہ

اندرون ملک: بارہ روپے

بیرون ممالک: بحری ڈاک جملہ ممالک ڈھائی پونڈ

ہوائی ڈاک

بیرون ممالک: مشرق وسطی سعودی عربیہ ایران و افغانستان

برما، لنکا سے چار پونڈ

بیرون ملک: ممالک افریقہ سے ساڑھے پانچ پونڈ

بیرون ملک: ممالک یورپ سے سات پونڈ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ دینی و ادبی کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بارہ روپے ارسال فرمائیے، اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی کے ذریعہ چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ 5/ 15 Rs کے مطالبہ پر وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیے۔

قربانی کے بعد

محمد الحسنی

ذی الحجہ کا یہ مبارک مہینہ جو گزر رہا ہے اپنے اندر ایک خاص پیغام رکھتا ہے۔ اس میں ایک خاص کیفیت پائی جاتی ہے جو بجز رمضان کو چھوڑ کر اور دوسرے مہینوں میں نظر نہیں آتی، اس کے پیچھے ایک خاص تاریخ ہے، منفرد اور اپنے رنگ میں مخصوص واقعات ہیں، یہ تاریخیں وہ ہیں جن میں لاکھوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکنیں ایک خاص وقت، خاص جگہ اور مخصوص شعائر و ارکان اور ہیئت و صورت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ ان تمام کیفیات کو ہم اگر ایک مختصر لفظ میں ادا کرنا چاہیں تو اس کو "قربانی" کے وسیع و عمیق لفظ سے ادا کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ قربانی کس چیز کی ہے اور کس کے لئے؟

بدقسمتی سے آج "قربانی" کو صرف بکرے اور دنبہ کی قربانی کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے، گویا چند روپے خرچ کر کے ہم قربانی دینے والوں کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر ہمیں کسی قربانی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، یہ قربانی بھی بہت ضروری اور قابل احترام ہے۔ لیکن اس کے بعد یا اس کے ساتھ ایک اور قربانی ہے جو اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ کئی سال ہوئے ہم نے اپنے ایک مضمون میں عرض کیا تھا کہ ہمارے معاشرہ کے لئے قربانی کا مطلب صرف یہ سمجھ لیا ہے کہ ہر سال حج کر آیا کرو، شب برات و عید کی شاندار دعوتیں کر دیا کرو اور بقرعید میں کسی جانور کی قربانی کر لیا کرو، اور اس کے بعد سال بھر چین کی بانسری بجایا کرو، بدقسمتی سے بعض لوگوں نے اسی میں کچھ اور مصنوعی چیزیں شامل کر لی ہیں اور انہیں اس فہرست کے فلسفہ کے ساتھ لذت اور تفریح طبع کی بھی آمیزش ہے۔ وہ قبروں پر چادر چڑھاتے ہیں، عرس و قوالی سے لطف اندوز ہوتے ہیں بزرگوں کی قبروں پر میلے لگاتے ہیں، اور گناہ بخشوا کر اور سال بھر کے لئے جنت کی ضمانت لے کر واپس آ جاتے ہیں۔

جو لوگ ان بدعتوں سے محفوظ اور ان برائیوں سے دور ہیں وہ کسی مدرسہ کو چندہ دے کر کوئی سبیل لگوا کر، کسی مسجد میں حافظ کا انتظام کر کے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ قربانی کرنی تھی کر چکے، اب ان کو کسی چیز کی قربانی کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد جس شکایت پر ہوتی ہے کہ اللہ کی نصرت نہیں آتی اور مسلمانوں کی مدد نہیں ہوتی، یاد رکھئے کہ مدد کا وعدہ بکرے کی قربانی کے ساتھ نہیں بلکہ جذبات کی قربانی اور خواہش کی قربانی کے ساتھ مشروط ہے لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤہا ولکن ینالہ التقوی منکم۔

اللہ تعالیٰ کو کچھ پکائے ہوئے گوشت، لذیذ چیزیں، دسترخوانوں اور خوشبودار غذاؤں کی طلب نہیں ہے اور یہ چیزیں اس تک پہنچ بھی نہیں سکتیں، اس کے پاس دل کا ادب و لحاظ، خدا کا خوف اور خدا کی محبت اور خدا کے لئے نفس و مال کی قربانی پہنچتی ہے اور یہی چیز اس کی رحمت کو متوجہ کرنے کی طاقت ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہمارے لئے صبح سے شام تک دفتروں میں سر کھپانا، رات رات بھر جاگ کر ڈیوٹی انجام دینا اور بیٹھ کر کاروبار اور اپنے بزنس کی ترقی کے لئے ہر مصیبت کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرنا اور ہر تکلیف گوارا کرنا آسان ہے لیکن فجر کے وقت بستر چھوڑ کر نماز کے لئے اٹھنا مشکل ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پان، سگریٹ، چائے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو ہمیں اذیت ہونے لگتی ہے ہماری پیشانی پر شکنیں پڑ جاتی ہیں اور اگر کسی وقت کی نماز قضا ہو جائے، کسی کی حق تلفی ہو جائے، کوئی ناجائز کام ہم سے سرزد ہو جائے تو ہمیں احساس تک نہیں ہوتا؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اپنی ایک ادنیٰ خواہش اور قلبی تقاضہ پر ہم جتنا روپیہ چاہتے ہیں صرف کر دیتے ہیں، اپنے شوق و ذوق کی تسکین کے لئے ہر قسم کی فضول خرچی کر گزرتے ہیں۔ اور کسی صحیح مصرف اور ضرورت پر جس کا تعلق آخرت کے ثواب اور خدا کے وعدہ پر ہو چند آنے خرچ کرتے ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے سارے جہاں کی تلافی کر دی۔

یہ چند حقائق ہیں، غور سے دیکھا جائیگا تو نظر آئے گا کہ ہماری ساری زندگی اسی قسم کے نمونوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی بری عادتوں کی اصلاح اور اپنی خواہشات کی قربانی کی ضرورت کبھی محسوس نہیں کی اور قربانی کی اسی غلط روش پر چلتے رہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے آدمی اپنے ارادہ، اپنی خواہش، اپنی عادت اور اپنے مزاج کے گلے پر چھری پھیرے، اپنے دل کے کہنے پر نہیں خدا اور رسول کے کہنے پر چلنے کا فیصلہ کرے اور اس قسم کے ہر موڑ پر خدا کے ڈر اور آخرت میں جوابدہی کے خیال سے برائی سے اپنا ہاتھ روک لے اور دل پر پتھر رکھ کر اس سے باز رہے۔ واما من خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الہوی فان الجنۃ ہی الماوی۔

جو کوئی ناجائز آمدنی خواہ وہ کتنی میٹھی اور رسیلی ہو محض اس لئے نہ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے، کسی غلط چیز سے خواہ وہ بار بار اس کے سامنے آئے محض اس لئے نگاہیں پھیر لے کہ یہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے، جو دوستوں کی محفل، اپنی ساری دلچسپی کے باوجود محض اس لئے اٹھ آئے کہ اس میں غیبت و عیب جوئی ہو رہی ہے، جو اپنے گھر والوں کے غلط اور ناجائز مطالبات ان سے اپنی محبت و تعلق کے باوجود محض اس لئے رد کر دے کہ اس میں احکام شریعت سے سرتابی اور معصیت کا ارتکاب ہے، اپنے والدین، اپنے بھائیوں اور اپنے قریب ترین عزیزوں کے خلاف ان کی مروت اور شرم کے باوجود حق کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے۔

اس سے کم درجہ یہ ہے کہ جہاں وہ دن رات میں اپنی سیکڑوں خواہشات پوری کرتا ہے اور اپنے نفس کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے ہر قسم کی قربانی پر آمادہ ہو جاتا ہے وہاں وہ کسی وقت اللہ کے احکام بجا لائے، اس کے ادب و رحمت پر دستک دیتے اور اس کی نظر کرم کو متوجہ کرنے پر بھی صرف کرے اور اس کے لئے اپنے نفس اور مال اور اپنی خواہش اور عادت کی بھی تھوڑی بہت قربانی پیش کرے۔

وہ کم از کم بڑے گناہوں سے بچے، غیبت، فواحش، جھوٹ، بدنگاہی اور فرائض میں کوتاہی سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے اور اس راہ میں اگر اس کو اپنے اوقات اور اپنی عادات کی کچھ قربانی کرنی پڑ رہی ہو تو اس سے بالکل دریغ نہ کرے۔

قربانی کی یہ صحیح تصویر ہے جس پر خدا کی نصرت کا وعدہ ہے، اس قربانی میں کوئی تفریق نہیں، یہ جانور کی قربانی سے لے کر اپنے نفس کی قربانی تک محیط ہے، بلکہ جانوروں کی یہ قربانی دراصل اسی نفس کی قربانی کا عکس، اس کی مثالی تصویر اور اس کا مادی پیکر ہے، اور جانور کی قربانی کا یہ ذکر، حضرت اسماعیل ہی کی قربانی کا حکم اور اشارہ اسی لئے تھا کہ اس محبت کی قربانی ہو جو ایک چاہنے والے باپ کے دل میں اپنے محبوب فرزند کے لئے موجود ہوتی ہے۔

قربانی کی حقیقت اور اس کی روح (خواہ وہ وقت کی قربانی ہو، مال کی یا خواہشات کی ہو یا جان کی) یہ ہے کہ آدمی خدا کے ڈر کے سامنے اصول، مصالح اور مصلحت نہ کرے۔ وہ خدا و رسول سے محبت کے سامنے انسانوں کی محبت، دولت کی محبت، جاہ کی محبت اور دوسری تمام محبتوں سے دستبردار ہو جائے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

ہم نے جو کچھ کھویا ہے اندر کھویا ہے، اور اس کو تلاش باہر کر رہے ہیں

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

"پیام انسانیت" کے موضوع پر ایک روح پرور تقریب مدرسہ عربیہ سراج العلوم کے زیر اہتمام [illegible] کے وسیع سبزہ زار پر [illegible] اپریل [illegible] کی شب میں منعقد ہوئی۔

"پیام انسانیت" کے موضوع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تقریر فرمائی تھی، جلسے کے مہمان خصوصی ریاستی وزیر تعلیم [illegible] الحاج غلام سرور صاحب تھے، جلسے کی صدارت عالمی شہرت کے حامل، ممتاز تاریخ داں ڈاکٹر [illegible] نے کی، جلسے کے کنوینر جناب [illegible] مدرسہ عربیہ سراج العلوم سیوان، جناب [illegible] اور ڈاکٹر [illegible] نظامت کے فرائض پروفیسر [illegible] نے انجام دیے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اس جلسہ میں شرکت کے لیے [illegible] کانفرنس سے سیوان تشریف لائے تھے۔ مولانا کے آنے کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی، ریاست بہار اور یوپی کے متعدد اضلاع، قصبات اور مواضعات سے جلسہ میں آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو بسوں اور مختلف گاڑیوں کے ذریعہ شہر میں داخل ہو رہے تھے، بیس ہزار سے زائد مسلم، ہندو، سکھ اور عیسائی خواص و عوام انتہائی احترام اور عقیدت کے ساتھ ان معزز و محترم ہستیوں کو سن رہے تھے، مجمع بڑھتا ہی جاتا تھا اور حد نگاہ تک سر ہی سر نظر آ رہے تھے، جلسہ میں اول سے آخر تک اتنا سکوت رہا (Pin drop silence) جو اتنے بڑے جلسوں کی تاریخ میں ایک نادر بات ہے۔

علی میاں نے فرمایا:

صدر محترم، گرامی منزلت جناب غلام سرور صاحب وزیر تعلیم، مولانا نظام الدین صاحب، مولانا عبد الرحمن صاحب نائب امیر شریعت، معزز بہنو اور میرے بھائیو!

انسانیت پر اعتماد:

سب سے پہلے تو میں آپ کے سامنے اپنی اس خوشی کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں، اور یہ انسان کی خوبی ہے اس کی کمزوری نہیں ہے، انسانی فطرت ہے کہ وہ خوش ہوتا ہے تو اپنی خوشی ظاہر کرتا ہے، اور اس کو اپنی خوشی ظاہر کرنا چاہئے، یہ بالکل طبعی (Natural) بات ہے کہ آدمی خوش ہو اور خوشی ظاہر نہ کرے، بعض مرتبہ یہ کہنا کہ "ہم بہت خوش ہوئے ہیں" یہ چھوٹی بات سمجھی جاتی ہے لیکن میں اس کو زندگی کی علامت سمجھتا ہوں، مردہ اپنی خوشی ظاہر نہیں کر سکتا، نہ بیمار بخار ظاہر کر سکتا ہے، لیکن جب تک انسان زندہ ہے اور اس کی رگوں میں خون پھر رہا ہے، اور سانس آ رہی اور جا رہی ہے اس وقت تک وہ باہر کے حالات سے متاثر ہوتا ہے، جب روح نکل جاتی ہے جسم و جان کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر باہر کے حالات کا کوئی اثر نہیں پڑتا، کوئی سایہ نہیں پڑتا، اس لئے میں آپ سے اپنی خوشی چھپا نہیں سکتا، اور اس میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہیں کرتا کہ اس مجمع کو دیکھ کر بہت خوش ہوں، انسان کے لئے بڑی دل توڑنے والی باتیں پیش آتی ہیں اور زندگی نام ہی اس کا ہے دل توڑنے والی باتیں بھی پیش آتی ہیں، دل کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے واقعات بھی پیش آتے ہیں، شیشہ کی طرح، کانچ کی طرح، دل کے سو ٹکڑے، ہزار ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو جوڑنے والے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور زندگی ان دونوں کا مجموعہ ہے، ان ہی کے تال میل سے، اسی تانے بانے سے تکلیف دہ اور خوش کرنے والے واقعات دونوں سے یہ زندگی بنی ہے تو کسی انسان کے لئے اس سے زیادہ دل آزار دینے والی، اس سے زیادہ اس کا حوصلہ پست کر دینے والی بات، اس سے زیادہ اس کو بجھا ہوا بنا دینے والی بات نہیں ہے کہ اس کی بات کو سننے والا، اس کی بات کا کوئی سمجھنے والا نہ ہو، سب سے بڑی سزا انسان کے لئے یہ ہے کہ آپ اس کو کہیں جنگل میں ڈال آئیے، پہاڑ کی چوٹی پر بٹھا دیجئے، جہاں وہ روئے تو کوئی دیکھنے والا نہ ہو، وہ ہنسے تو کوئی دیکھنے والا نہ ہو، سوائے اس کے پیدا کرنے والے کے کوئی انسان نہ اس کی بات سننے والا ہو، نہ اس کا غم غلط کرنے والا ہو، نہ اس کو تسلی دینے والا ہو، نہ اس کے درد کو سمجھنے والا ہو، اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی چیز دل توڑنے، دل شکنی اور حوصلہ [illegible] نہیں ہو سکتی، اس کے مقابلہ میں آپ انسان سے سب چھین لیجئے، لیکن انسانوں کی ہمدردی اس کو حاصل ہو، انسان اس پر بھروسہ کرتے ہوں تو اس کو سب مل گیا، سب دولت مل گئی، یہ ہماری شعر و شاعری، لٹریچر، پوئٹری، فنون لطیفہ، فائن آرٹس، [illegible] Talent [illegible] خلاقی اور تخلیقی [illegible] جو جذبات پر صرف ہوتی ہے Instruments [illegible] ہے، سب کا سرچشمہ اسی کو پیدا کرنے والی چیز امید ہے، انسان کو امید ہوتی ہے، میں ایک شعر کہوں گا تو اس کو کوئی سننے والا، سر دھننے والا ہو گا، آرٹسٹ ہے تصویر بناتا ہے، بڑا مخلص ہے Science ہے، اس کو اس کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے کہ لوگ تعریف کرتے ہیں یا تنقید کرتے ہیں، اس کو داد دینے والے ہیں، یا اس کی محنت پر پانی پھیر دیتے ہیں، لیکن اگر اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ میری تصویر کا کوئی دیکھنے والا اور اس کے خط و خال کا کوئی سمجھنے والا نہیں ہے تو اس کا قلم، اس کا دماغ نہیں چلے گا، اس کے اندر جو قابلیت ہے تصویر بنانے کی وہ بجھ کر رہ جائے گی، یہ جو کچھ ہمارے علم و ادب کا ذخیرہ ہے یہ ابھر رہا ہے، یہ سب اسی قدر دانی کا نتیجہ ہیں، ہمارے صدر بھی ایک بڑے مصنف ہیں، مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کی ہابی (Hobby) ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ لکھنا پڑھنا ہے، میں ان کو گواہ بناؤں گا اور آپ کے سامنے ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان کی کتابوں کے پڑھنے والے نہیں ہیں، Admirers ہونا تو الگ بات ہے کتابوں کے پڑھنے والے بھی نہیں ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ ان کا قلم چلے گا، قلم تو [illegible] چیز ہے وہ مصنف کا تصور ہے کہ اکیلا نہیں ہوں، انسان کے لیے سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ وہ یہ سمجھنے لگے کہ میں اکیلا ہوں، اسی وقت اس کا دم گھٹنے لگے گا، انسان کو خدا نے اکیلا پیدا نہیں کیا، اور اکیلا رکھا بھی نہیں اور خدا کا یہ منشا بھی نہیں ہے کہ وہ اکیلا رہے، اگر خدا کو اس کو اکیلا رکھنا ہوتا تو اس کو پہاڑ بنا دیتا، پتھر بنا دیتا، پیڑ بنا دیتا، کان میں کتنے بہت سے پڑے ہوتے ہیں، جواہرات پڑے ہوتے ہیں، لیکن انسان کو خدا نے انسانوں کے بیچ میں پیدا کیا، اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ آدمیوں میں رہنا چاہتا ہے، اس کو گھر کاٹنے دوڑتا ہے، جیل خانہ بن جاتا ہے اگر وہ اس میں اکیلا ہو، جیل خانہ کی کیا تعریف ہے، جیل خانہ میں کس بات کی کمی ہے، ہمارے منسٹر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ہماری حکومت ہے، ہمارے دیش کی حکومت ہے، آج کل جیل خانوں میں ساری آرام کی باتیں ہیں، اسپیشل کلاس ہوتے ہیں، وہاں پر بعض مرتبہ وہ آسائش، وہ آرام میسر ہوتا ہے جو اچھے اچھے لوگوں کو اپنے گھر پر میسر نہیں آتا، لیکن جیل خانہ جیل کیوں معلوم ہوتا ہے، کیوں لوگ اس سے گھبراتے ہیں، قیدی ملنا چاہتا ہے مل نہیں سکتا، وہ بات کرنا چاہتا ہے تو بات کرنے کے لئے اسے آدمی نہیں ملتے، اس کا دم گھٹنے لگتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ،

یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

میں استاد بھی رہا ہوں اور اس پر فخر کرتا ہوں، بچے کی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس سے کہا جائے، "یہاں بیٹھے رہو، کہیں جانا نہیں، اٹھنا نہیں"، بچے کو آپ دو تین مار لیجیے، چار تھپڑ لگا دیجیے تھوڑی دیر رو کر خوش ہو جائے گا، لیکن پہلے سے کہہ دیجئے یہاں بیٹھے رہو، آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بس اب جان نکل جائے گی کیوں؟ اس کی تکلیف ہے؟ یہ ہے کہ انسانی فطرت حرکت چاہتی ہے، بات کرنا چاہتی ہے، تو انسان اپنے کو اکیلا محسوس کرے، اتنی ہی بات سے انسان اندر ہی اندر گھٹنے لگتا ہے اس کا دم

گھٹنے لگتا ہے، جیسے مچھلی کو آپ پانی سے نکال کر خشکی میں ڈال دیجئے تو مچھلی کا دم گھٹنے لگے گا۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں، کہ پڑھے لکھے آدمیوں، ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی بھائیوں کی اتنی صورتیں دیکھ کر میرا دل باغ باغ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا خون بڑھ گیا ہے۔

ہماری فطرت خراب نہیں اوپر کی چیزیں خراب ہیں!

دنیا کا کارخانہ اعتماد اور بھروسے ہی پر چل رہا ہے، اتنے بھائی امید لے کر اور اطمینان کر کے آئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری فطرت خراب نہیں ہوئی، ہمارے اوپر کی چیزیں خراب ہو گئیں، ہمارا Conscience اتنا خراب نہیں جتنی زبان خراب ہوئی ہے، اور مجھے کہنے کی اجازت دیجئے جتنا ہمارا دماغ خراب ہوا ہے اور یہ جو کچھ خرابی آج دنیا میں دیکھ رہے ہیں زیادہ دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہے ہم نے غلط پڑھا غلط نتیجہ نکالا ہے، ہم نے دنیا کا غلط مطلب سمجھا ہے، ہمارا ضمیر سو گیا ہے جگانے سے جاگ سکتا ہے۔

میں ابھی چار اسٹیٹس States کا دورہ کر کے آ رہا ہوں، میں نے دیکھا کہ خدا نے کتنا بڑا ملک ہم کو دیا ہے اور کیسا سرسبز اور شاداب ملک دیا ہے، ہمارا اصرار یہ ہے کہ ہمارا ملک کسی حیثیت سے کسی ملک سے کم نہیں ہے، کیسی ہریالی، کیسی شادابی، کیسی پیداوار، کیسے خوبصورت مناظر، کیسا قدرتی حسن، کیسے اونچے پہاڑ، دنیا کا سب سے اونچا پہاڑ ہماری زمین پر ہے، بہت لمبے دریا ہمارے ملک میں بہتے ہیں اور غلہ کتنا پیدا ہوتا ہے، پھل کیسے کیسے خدا نے پیدا کیے اور ان سب سے بڑھ کر آدمیوں کی آبادی، یہ آدمیوں کا جنگل ہے، کھوے سے کھوا چھلتا ہے، بازاروں میں نکلنا مشکل ہے، ٹریفک کنٹرول کرنا مشکل ہے۔

محبت و اعتماد کا راستہ!

ہمارے ملک میں کوئی کمی نہیں، لیکن ہمارے ملک کے اندر احساس ذمہ داری، شہریت کا احساس، یہ احساس کہ ہم ایک شریف اور ذمہ دار شہری ہیں، پورے طور پر نہیں ہے، محبت کی کمی ہے اعتماد کی کمی ہے، لوگ ڈرے ہوئے ہیں، آدمی مطمئن نہیں ہیں، یہ اطمینان نہیں کہ کس وقت کیا ہو جائے، یہ بے چینی کی حالت جو صاف دیکھا تھا، ہماری سیاسی پارٹیوں نے پچھلی حکومتوں نے پیدا کی ہے، اس سے دل پر ایک چوٹ سی لگتی ہے، یہ ساری خرابی ہماری ہے، خدا کی طرف سے کوئی کمی نہیں، اس آسمان نے کمی کی پانی برسانے میں، نہ زمین نے کمی کی غلہ اگانے میں، تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، اور ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہمارا ہندوستان اپنی ذہانت میں، اور اپنی efficiency میں، اپنی کارکردگی کی صلاحیت میں، اپنی سوجھ بوجھ میں اور اپنی طبعی شرافت میں دنیا کے کسی ملک کے کسی شہری سے کم نہیں، لیکن اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا ہے جس حد تک اٹھایا جا سکتا تھا، اور اٹھایا جانا چاہیئے، کسی آدمی کے پاس کوئی چیز نہ ہو تو ذرا تسلی ہوتی ہے کہ بھئی نہیں ہے خدا نے نہیں دی ہے، غریب آدمی ہے اس کو تسلی ہے میں غریب گھر میں پیدا ہوا، میں زیادہ پڑھا لکھا نہیں، میں ذہین بھی نہیں ہوں، میں نے محنت بھی نہیں کی ہے، وہ اپنی قسمت پر راضی ہوتا ہے، لیکن جس کو خدا نے سب کچھ دیا ہو اور پھر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ مر کر اس کو یہ خیال آتا ہے، دل مسوس کر رہ جاتا ہے، کہ میں کیوں نہیں فائدہ اٹھاتا، مجھے کیوں اس کا موقع نہیں ملتا اس کا جو صحیح نتیجہ ہے وہ مجھے کیوں نہیں حاصل ہوتا ہے یہی احساس میرا ہے میں ہندوستان میں آپ سب لوگوں سے زیادہ گھومنے والا آدمی ہوں، میرے ایسے ہی حالات ہیں، میں ہندوستان کے چپے چپے پر گھوما اور کونہ کونہ کو دیکھ چکا ہوں، کتنا دولت مند ملک، زمینی پیداوار سے بھی، صنعتی پیداوار سے بھی، یہاں بہتر سے بہتر دھاتیں پائی جاتی ہیں، اور اس میں آپ کے اسٹیٹ بہار کا تو نمبر اول ہے، کوئلہ سب سے زیادہ یہاں نکلتا ہے، لوہا یہاں پیدا ہوتا ہے، کیسے بڑے بڑے کارخانے اور پھر ریفائنریز یہاں قائم ہیں، پٹرول چاہے باہر سے آئے لیکن یہاں ریفائن ہوتا ہے، یہاں سے وہ تمام ہندوستان میں تقسیم ہوتا ہے، کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن فسادات جہاں ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا جہاں دشمن بن جاتا ہے، پاگل پن کی لہر اٹھتی ہے، کوئی شریر آدمی ایک نعرہ لگا دیتا ہے اور سارے کا سارا ملک اس وقت ایسا مست ہو جاتا ہے جیسے کسی کو کسی نے انجکشن دے دیا، یا اس پر ہسٹیریا کا دورہ پڑ گیا، طالب علم، طالب علم معلوم نہیں ہوتے، پروفیسر، پروفیسر معلوم نہیں ہوتے، اسکالر اسکالر معلوم نہیں ہوتے، میں جمشید پور، راوڑکیلا، رانچی گیا ہوں، اور فسادات کے بعد گیا ہوں، یہ دیکھ کر مجھے دکھ ہی نہیں ہوا حیرت بھی ہوئی کہ آخر انسان کو کیا ہو جاتا ہے، یہ انسان اتنی جلدی جانور کیسے بن جاتا ہے؟ اس جیسے جانور کو انسان بننے کے لئے بڑی مشکل پیش آتی ہے لیکن انسان کو جانور بن جانے کے لئے کوئی مشکل نہیں، چاہیئے تو یہ تھا کہ جانور کے لئے انسان بننا آسان ہوتا، انسان کے لئے جانور بننا مشکل ہوتا، اس لئے کہ اگر جانور انسان بن جائے تو بڑی اچھی بات ہے ہم نے بھی Progress کیا ہم نے کچھ پایا، لیکن انسان اگر جانور بن جائے اس سے بڑھ کر ہماری بدقسمتی نہیں ہو سکتی، ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو انسان، ماں باپ نے انسان کا بچہ سمجھ کر پالا پوسا، ساری غذائیں انسانوں کی دیں اور اس کے بعد جب پڑھنے کے قابل ہوا تو پڑھنے بٹھا دیا گیا، اس کے سامنے فرشتہ جیسے اچھے آدمی آئے، پرانی ہسٹری آئی تو اچھی آئی پرانے واقعات آئے تو اچھے آئے، ہر ماں باپ، ہر خاندان کے والدین خواہ کم پڑھے لکھے ہوں لیکن وہ اپنے بچے کو اچھے سے اچھا بنانا چاہتے ہیں، یہ انسانی فطرت ہے، اسی بنا پر انسان نے بڑی ترقی کی ہے، والدین کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ ہمارا بچہ ہم سے بڑھ جائے، انسان کسی کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھنا نہیں چاہتا، لیکن اپنے بچے کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھنا چاہتا ہے، یہ انسان کی فطرت ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک نسل پہلی نسل سے اچھی ہوتی ہے، اور تیسری نسل دوسری نسل سے اچھی، تو انسان پیدا ہوا تو انسان تھا، اس کے بعد جب اس کو دودھ پلایا گیا تو انسان کے بچے کی طرح پلایا گیا، گودوں میں کھلایا گیا، تو انسان کے بچے کی طرح کھلایا گیا، گلاب کے پھول کی بھی وہ سیوا نہیں ہوتی جو انسان کے بچے کی سیوا ہوتی ہے، پھر اس کے بعد اس کو پڑھنے بٹھایا گیا، تو انسانوں کی طرح اس کے لئے کتابیں لکھی گئیں، اس کے لئے لائبریریاں تیار ہوئیں اس کے لئے ادارے بنے، اس کے لئے تمام دنیا کے دانشوروں، فلاسفروں اور اسکالروں نے اپنا دماغ نچوڑ کر رکھ دیا ہے، یہ سب انسان کی طرح ہوا، اب اسکول جانے کے قابل ہوا تو انسان کے بچے کی طرح اسکول گیا، وہاں استادوں نے انسان کی طرح، انسان پر شفقت کی، اپنی اولاد کی طرح سینے سے لگایا، اور اچھی سے اچھی باتیں اس کے کان میں ڈالیں، بہتر سے بہتر کتابیں اس کو پڑھائیں، ایجوکیشن منسٹر صاحب یہیں بیٹھے ہوئے ہیں، ہر سال کورس کو ترقی دی جاتی ہے Improve کیا جاتا ہے۔ نئے نئے تجربے تعلیم میں کیے جاتے ہیں، نئی نئی Theories آتی ہیں امریکہ سے یورپ سے، جو نئے نئے تجربے ہیں وہ سب آزمائے جاتے ہیں، تاکہ تعلیم ترقی کر کے آسمان پر ہو، یہ سب انسان کی خاطر ہے، اب اس نوجوان نے پڑھا اس کے بعد وہ کالج سے نکلا، گریجویشن کیا، پھر ایم۔ اے کیا، اگر وہ ریسرچ کرنا چاہتا ہے، پی ایچ ڈی ہو جانا چاہتا ہے، پوسٹ گریجویٹ کا کورس وہ کر چکا ہے باہر کی یونیورسٹیوں میں گیا یہ سب انسان کا پروسیس (Process) ہے۔

آج ایک غلط نعرہ ہم کو پاگل بنا دینے کے لیے کافی ہے!

اس کے بعد میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا ہوتا ہے، لہر اٹھتی ہے پٹنے سے، مونگیر سے، کشن گنج سے یا ادھر یوپی کے بارڈر سیوان سے، یا اس کے آگے سے، اور یہ سب پڑھے لکھے آدمی نہ صرف یہ کہ پاگل ہو جاتے ہیں بلکہ جانور بن جاتے ہیں، مجھے بتائیے یہ میرے لیے ایک پہیلی ہے جس کو بوجھنا چاہتا ہوں، وہ کونسا اسکریو Screw ڈھیلا ہو جاتا ہے کہ یہ انسان جو اپنے سینہ میں اتنا علم لیے بیٹھا ہے، سمندر کا سمندر پی گیا، کسی کی فلاسفی، کسی کی منطق، کسی کا علم اخلاق، فن سیاست اور حکمت، شاعری و فنون لطیفہ، انسانی نفسیات! یہ سب پڑھنے کے بعد مجھے آپ بتائیے کہ وہ کونسا دھماکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے اچھا خاصا انسان جانور میں تبدیل ہو جاتا ہے، وہ اچھا خاصا خونخوار بھیڑیا ہو جاتا ہے، انسان اپنے آپے سے نہیں بلکہ جامے سے باہر ہو جاتا ہے، طالب علم طالب علم کو مارتا ہے، پروفیسر پروفیسروں کی نشاندہی کرتا ہے، کہتا ہے کہ دیکھو میرا ساتھی یہاں چھپا ہوا ہے جس نے دس برس تک لیبارٹری میں اس کے ساتھ کام کیا ہے، کاندھے سے کاندھا ملا کر لائبریری میں بیٹھا ہے آج وہ اس کی جاسوسی کرتا ہے، یہ کیا ہو جاتا ہے؟ یہ انسانیت پر کیسی بجلی گرتی ہے؟ نیویارک کے پاور ہاؤس پر بجلی گری میں اس وقت امریکہ کے قریب (فلاڈلفیا میں) تھا، میری سمجھ میں آیا پاور ہاؤس بھی عقل نہیں رکھتا، بجلی بھی عقل نہیں رکھتی، ایک بے عقل بے عقل پر گر گئی، لیکن یہ عقل والا عقل پر کیسے گرتا ہے۔ درحقیقت یہ نادانی ہے، بجلی تو بجلی ہے، کسی کو بے عقل و بے شعور پر غصہ نہیں آتا، کوئی اس کو ملامت کرتا ہے، یہ بات کتا بھی سمجھتا ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کتے کو آپ ڈھیلا ماریئے تو کتا ڈھیلے پر، پتھر پر نہیں دوڑتا، وہ آپ پر دوڑے گا، گویا کتے کو بھی یہ سمجھ ہے کہ پتھر کا قصور نہیں انسان کا قصور ہے، آپ مار کے دیکھ لیجیے، کتے کی دم آپ کے پاؤں کے نیچے

آجائے، تو آپ بچا نہیں سکتے، لیکن اگر کتے کی دم کسی درخت وغیرہ سے پھنس جائے تو کتے کو غصہ نہیں آئے گا، اس کو ذی شعور پر غصہ آتا ہے جس کے اندر بھی خدا نے یہ شعور پیدا کیا کہ ذمہ دار کون ہے، ہمارے یہاں کتے سے زیادہ کوئی بیوقوف جانور نہیں سمجھا جاتا، مگر وہ بھی یہ بات سمجھتا ہے، لیکن ہم اور آپ کیوں نہیں سمجھتے؟ مجھے بتائیے کہ انسان، انسان پر کیسے گرتا ہے؟ پہاڑ انسان پر گرے معاف کر دیا جائے، دریا انسان پر گرے معاف کر دیا جائے، پتھر انسان پر گرے معاف کیا جا سکتا ہے، چھت گر جاتی ہے معاف کی جا سکتی ہے، آگ لگ جاتی ہے معاف کی جا سکتی ہے، مگر انسان کو معاف نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ خدا نے اس کو عقل دی ہے، خدا نے اس کو شعور دیا ہے، خدا نے اس کو دل دیا ہے، خدا نے اس کو ضمیر دیا ہے، اور اس کو انسانوں کی طرح پالا گیا، لیکن انسان، انسان کو انسان نہیں سمجھتا مجھے حیرت ہے، ایک شخص اپنے آفس میں بیٹھا ہوا ہے، اچھا خاصا پڑھا لکھا کوالیفائڈ Qualified آدمی ہے اور اس کام کے لئے بیٹھا ہے کہ جب کوئی اس سے خدمت لینے آئے، ناک لکھوانے آئے، جب کوئی کام کرانے آئے یا کوئی آرڈر لے کر آئے فوراً اس کی تعمیل کرے، وہ بیچارا وہاں سے چلا، تو یہ اپنے ساتھی سے کہتا ہے "موٹا شکار ہے، موٹی آسامی ہے"، گویا اس کے نزدیک ایک چوہا آیا، ایک موٹا سا چوہا، بلی جیسے چوہے کو آتا ہوا دیکھے اسی طرح یہ انسان، انسان کو دیکھتا ہے، بڑا موٹا شکار ہے، بڑی موٹی آسامی ہے، خوب پیسہ اس سے وصول ہوگا، ارے خدا کے بندے، بندہ نہیں انسان تجھے تو دو قدم چار قدم آگے جانا چاہئے تھا — اس کا Reception کرنا چاہئے تھا، اس کو گلے لگانا چاہئے تھا کہ میں اسی لئے یہاں بیٹھا ہوں خدا نے تم کو بھیجا ہے، تم خدا کی نعمت ہو میرے لئے، اگر تم یہاں نہ آؤ تو میں بیکار ہوں، میں نے کس لئے تعلیم حاصل کی؟ جوتا، میں نے کس لئے آنکھیں پھوڑیں، میں نے اس لئے پڑھا تھا، اس لئے آنکھیں خراب کی تھیں کہ میں تم جیسے آدمیوں کی خدمت کروں، گھنٹہ بھر سے مکھی مار رہا تھا گھنٹہ بھر سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا، میرا کوئی کام نہیں تھا، تم کو خدا نے بھیجا۔

پھر یہ آنے والا کون ہے؟ اپنی ماں کا لال، جب یہ بیمار ہوا تھا تو اس کی ماں نے دو دو رات جاگ کر کاٹی تھی، اور ڈاکٹر کے گھر میں جا جا کر دہائی دی تھی خدا کے لئے میرے بیٹے کو بچا لیجئے، اس نے روتے روتے ہوئے کہا اے خدا میری جان لے لیجئے اور میرے بچے کو بچا لیجئے، اس کی جان بچ جائے، یہ ایسا لاڈلا تھا، اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا تھا، اب وہ آیا ہے تمہارے پاس تو گویا ایک چوہا آگیا، گویا ایک بلی آگئی ہے، ایک موٹا شکار آیا کہ تم اس کا خون چوس لینا چاہتے ہو، اس سے بڑھ کر انسانیت کا زوال کیا ہے، بھیڑیا بھیڑئے کے یہاں چلا جائے، بھیڑیا اس کو مارتا نہیں ہے، کتا کتے کے پاس چلا جائے تو کتا اس پر حملہ نہیں کرتا، جب تک کہ وہ پاگل نہ ہو، ایک انسان ایک انسان پر کیسے حملہ کر سکتا ہے، یہ وہ پہیلی ہے جو آج تک کوئی بجھا نہیں سکا میں آپ سے اس پہیلی کو بوجھنا چاہتا ہوں کہ یہ دورے کیسے پڑتے ہیں؟ اگر کسی ایک کے دماغ پر پڑ جائے تو پڑ جائے اس کا سب پڑھا لکھا غارت، جو ماں باپ نے سکھایا سب بھول گیا، جو استادوں نے اسکولوں کالجوں میں سکھایا وہ بھول گیا، جو کتابوں میں پڑھا تھا بڑے شوق سے لائبریری میں جا کر مطالعہ کیا تھا وہ سب بھول گیا، ایک منٹ میں یہ سب صفایا کیسے ہو جاتا ہے۔

تعلیم سب کچھ کرتی ہے مگر آدمی کو آدمی نہیں بناتی:

اس کی وجہ کیا ہے کہ وہ پڑھا لکھا بن گیا Educated بن گیا، کلچرڈ ہو گیا، Well read بھی اور بڑا لبرل بھی اور بڑا فنکار، سب کچھ، لیکن آدمی نہ بن سکا، اگر تعلیم سب کچھ کرتی ہے لیکن آدمی کو آدمی نہیں بناتی تو پھر یہ دو کوڑی کی، امریکہ کی تعلیم، یورپ کی تعلیم اگر انسان کو مہذب نہیں بنا سکتی، اگر انسانیت کا احترام نہیں پیدا کر سکتی، اگر اس کے ضمیر کو نہیں جگا سکتی، اگر خدا کا خوف اس کے دل میں نہیں بٹھا سکتی، اگر انسان کی خدمت کا جذبہ اس کے اندر نہیں پیدا کرتی۔ اس تعلیم سے جہالت اچھی، جب انسان جاہل تھا، انسان کی حفاظت کرتا تھا، انسان کی عزت اور آبرو کے لئے جان دے دیا کرتا تھا، انسان، انسان کے لئے پہرہ دیا کرتا تھا، وہ سوتا تھا اور یہ جاگتا تھا تاکہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہونچے، وہ دور اچھا تھا اس دور سے جس میں اتنی تعلیم ہے، گھر گھر تعلیم ہے، گاؤں گاؤں تعلیم ہے، مگر اس کا نتیجہ کیا ہے؟ کوئی دیوانہ، کوئی شریر، کوئی فسادی ایک نعرہ لگا دیتا ہے، خواہ وہ قوم پرستی کا نعرہ ہو، خواہ کمیونزم کا نعرہ ہو، وہ Riot کرا دیتا ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ملک کو کیسے مہذب کہا جائے، جہاں دن رات رائٹ Riot ہوں، تہذیب اور رائٹ دونوں جمع نہیں ہو سکتے، انسان، انسان کا شکاری ہو، انسان، انسان کے خون سے اپنی پیاس بجھائے، لعنت چاہیے ایسے انسان پر، وہ انسان نہیں اس سے جانور بہتر ہیں، درندے بہتر ہیں۔

انسان اندر سے بنتا ہے، باہر سے نہیں بنتا:

بات یہ ہے کہ انسان اندر سے بنتا ہے باہر سے نہیں بنتا، ہم نے اندر کو بھلا دیا، ہم نے اندر کے انسان کو نہیں جگایا، ہمارے اس انسان کے اندر ایک اور انسان چھپا ہوا ہے وہ اندر کا انسان ہے، وہ دل والا انسان ہے، وہ ضمیر والا انسان ہے، وہ خدا سے ڈرنے والا انسان ہے، جب وہ انسان جاگ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ بڑی بڑی سلطنتیں، شہنشاہیاں Empire ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں، لیکن ان کا حال کیا ہوتا ہے؟ وہ قوم کے پیسے کو، ملک کے پیسے کو خدا کی امانت سمجھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ پوری قوم مالک ہے اور میں اکیلا خادم ہوں، غلام ہوں۔

انسانیت کے بیش بہا نمونے:

دو واقعے آپ کو سناتا ہوں اور جانتا ہوں پروفیسر صاحب سے کہ میں ہسٹری کا طالب علم ہوں اور میری پہونچ وہیں تک ہے، خلیفۂ اول کا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خلیفہ ہوئے یعنی جب مسلمانوں نے ان کو اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ پر منتظم و رہنما مان لیا، اس وقت مسلمانوں کی ایک طرف Roman Empire کی طرف فوجیں بڑھ رہی تھیں تاکہ وہاں بھی ظلم کو دور کریں، اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالیں دوسری طرف Persian Empire کی طرف بڑھ رہی تھیں اس وقت کتنا بڑا خزانہ ہوگا مسلمانوں کا، حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ان کی بیوی نے کہا آپ جب سے خلیفہ ہوئے ہیں مسلمانوں کو جو کچھ فائدہ ہوا ہو ہم اس سے انکار نہیں کرتے لیکن ہمارا بڑا نقصان ہو گیا، انہوں نے فرمایا کیا نقصان ہوا؟ بیوی نے کہا کہ آپ نے جو پیسے مقرر کئے ہیں اور جو آپ کو مسلمانوں کے بیت المال (خزانہ) سے ملتے ہیں اس میں بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ بچوں اور بچوں کا پیٹ بھر جائے کتنے دن ہو گئے، آپ کو خلیفہ بنے ہوئے ہم ابھی تک کوئی میٹھی چیز نہیں کھا سکے، ہمارے منہ کا مزہ خراب ہے ہم کیا کریں اس سے تو ہم اسی وقت مزے میں تھے جب آپ کپڑوں کی تجارت کرتے تھے جب ہی ہم بھلے تھے، اب اس کے بعد آپ خلیفہ ہوئے نام تو بہت اونچا لیکن ہمارا کوئی فائدہ نہیں۔

انہوں نے کہا بی بی! میں کیا کروں مسلمانوں کا مال تو اس لئے نہیں ہے کہ ابو بکر کے گھر والے اپنا منہ میٹھا کریں، مسلمانوں کے خزانہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ بیوی نے کہا کہ اس میں سے ہم کچھ بچا لیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا؟ کہا اس پر کیا اعتراض؟ یہ تمہاری سلیقہ مندی کی بات ہے، دس دن، پندرہ دن، بیس دن، اس بیچاری نے پیسے کاٹے اس میں سے دو دو پیسے ایک ایک آنہ کر کے اور اس کے بعد بارہ آنے ایک روپیہ کچھ لا کر ان کو دیا اور کہا کہ لیجئے، جو آپ دیتے تھے اسی سے کاٹ کاٹ کر یہ رقم میں نے جمع کی... اس سے اتنا گھی، اتنی شکر، اتنی سوجی منگوا دیجئے، آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا کیا؟ مسلمانوں کے ٹریزری آفیسر یا بیت المال کے منتظم کو بلا کر دے دی اور کہا کہ یہ بارہ آنے پیسے بچے ہیں ان کو مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر لیجئے اور تجربے نے یہ ثابت کیا ہے کہ اتنے پیسے کم کئے جا سکتے ہیں جب بھی گذارا ہو جائے گا، یعنی آپ دس آنے دیا کرتے تھے تو اب آٹھ دیا کیجئے اس لئے کہ ہماری بیوی نے یہ ثابت کر دیا کہ اتنے پیسے کم دیئے جائیں جب بھی گذارہ ہو جائے گا کوئی مرے گا نہیں، گھر میں فاقہ نہیں ہوگا۔

بیوی نے کہا واہ واہ ہم بھلے رہے، معاف کرانے گئے تھے روزے گلے پڑ گئے، یعنی اس سے تو ہم پہلے ہی اچھے تھے کہ بارہ آنے روزانہ میں گذر ہوتا تھا اب دو آنہ پیسہ کم کر کے ہم کو ملا کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا خزانہ اس لئے نہیں ہے کہ اڑائے جائیں ہم مٹھائیاں نہیں اور حلوے اچھے؟

ایک واقعہ اور سناتا ہوں، یہ واقعات وہ ہیں جو ہماری آپ کی ملکیت ہیں، یہ کسی خاص کمیونٹی کی ملکیت نہیں، ان پر ہم کو آپ کو سب کو فخر کرنے کا حق ہے اس لئے کہ یہ انسانوں کے واقعات ہیں، ہم بھی انسان ہیں اور وہ بھی انسان تھے، ہمارا سر اونچا ہونا چاہئے کہ ہماری نسل میں ہماری Race میں Man kind میں ایسے لوگ ہوتے ہیں، جب ہمارا کاروبار ہم سے

قائم ہوئی تھی تو حضور نے کہا تھا ہمارے منسٹروں کو وہ زندگی اختیار کرنی چاہیے جو حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ نے گذاری تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں اسلامک ایمپائر اتنا بڑھ گیا تھا کہ شام Spain مصر Egypt اور عراق، اسپین تک پہونچ گیا تھا، اور شمالی افریقہ سارا فتح ہو گیا تھا، اس وقت کا ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک دن رات کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کام کر رہے تھے اور آپ کی حکومت State اسٹیٹ کی شمع جل رہی تھی، بجلی اس زمانہ میں نہیں تھی مشعل اور شمع جلتی تھی، اس کو سامنے رکھے ہوئے کاغذات، فائلیں دیکھ رہے تھے، دستخط کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے ایک دوست آئے انہوں نے کہا لو خوب آئے آؤ بھی کہاں سے آئے، وہ جہاں سے آئے تھے اس ملک کا نام بتایا کہ بھئی وہاں سب لوگ خوش ہیں، سب کو کھانے کو ملتا ہے، انہوں نے کہا امیر المومنین سب نے سلام کہا ہے اور سب خوش ہیں، سب بڑے مطمئن ہیں، کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا، اس کے بعد آنے والے نے پوچھا "امیر المومنین کہئے آپ کے گھر میں بھی خیریت ہے؟ آپ کے فلاں بچے کہاں ہیں؟ آپ کی فلاں لڑکی کہاں ہے؟ بچے کیا پڑھ رہے ہیں؟ یہ پوچھنا تھا کہ انہوں نے پھونک مار کر شمع بجھا دی، انہوں نے کہا خیریت کیا بات کیا بات؟ انہوں نے کہا ابھی تک تو ہم پبلک انٹرسٹ کی بات کر رہے تھے اب تم نے ہماری گھریلو Domestic ہماری پرائیوٹ باتیں پوچھنی شروع کیں، اس کام کے لیے یہ شمع نہیں ہے۔ میں اس کا پیسہ اس میں نہیں خرچ کرنا چاہتا، نوکر سے کہا ہمارے گھر کا چراغ لاؤ، وہ لایا کہا اب بات کرو۔ وہ تو میں نے سرکاری کام کے لیے جلائی تھی، فائلیں دیکھ رہا تھا، اور تم آئے، میں نے سمجھا، ملک کی جہاں سے تم آئے ہو خیریت دریافت کی جو سرکاری کام ہے، اب تم قصہ لے بیٹھے میرے گھر کا، ان قصوں کے لیے میں مسلمانوں کا پیسہ ان کا حق تیل خرچ کرنا صحیح نہیں سمجھتا، آج دنیا میں ہے کوئی مثال اس کی؟ امریکہ کے پریسیڈنٹ بھی ہیں اور روس کے پریسیڈنٹ بھی ہیں اور بڑے بڑے ملکوں کے عرب ملکوں کے پریسیڈنٹ اور بادشاہ بھی ہیں، میں صاف کہتا ہوں کوئی اس معیار پر پورا نہیں اترتا، نہ سعودی عرب کا، نہ مصر کا، نہ عراق کا، یہ سب مسلم عربی کے ملک ہیں، لیکن کسی کو اس احتیاط کی ہوا بھی نہیں لگی، اس لیے کہ جو تربیت خدا کے پیغمبر رسول خدا نے اپنے صحابیوں کو دی تھی وہ ان کو ہرگز میسر نہیں آئی، میں جانتا ہوں، میں ان سے ملتا بھی ہوں میں ان کا احترام بھی کرتا ہوں اور میں وہاں اکرام سے رہتا ہوں لیکن میں صاف بات کروں گا۔

ہم نے جو کچھ کھویا ہے اندر کھویا ہے:

اب آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں، آپ اس ملک کی خبر لیجئے، انسان کو انسان بنائیے اپنے دل و جگر کے ٹکڑوں کو انسان بنائیے، ہم نے جو کچھ کھویا ہے، اندر کھویا ہے اور ہم تلاش کر رہے ہیں باہر، اس پر مجھے ایک کہانی یاد آگئی جو میں نے بچپن میں سنی تھی کہ کوئی صاحب گھر کے باہر کچھ ڈھونڈ رہے تھے کوئی بڑے میاں تھے، قاعدہ ہے کہ ایسے موقع پر چلتے ہوئے راہگیر رک جاتے ہیں کہ آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں، کیا گرا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک روپیہ گر گیا ہے میں ڈھونڈ رہا ہوں، یہ راہگیر بھی ڈھونڈنے میں لگ گئے مگر وہ روپیہ مل نہیں رہا ہے، روشنی ہے اور مل نہیں رہا ہے، انہوں نے کہا کہ یہ تو بتائیے کہاں گرا تھا؟ ہم خاص طور پر اسی جگہ تلاش کریں، انہوں نے کہا بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ وہ گھر میں گرا تھا، گھر میں اندھیرا ہے، یہاں روشنی ہے اس لیے یہاں ڈھونڈنے آیا ہوں، لالٹین جلا کر اندر ڈھونڈھوں۔ آج ہمارا آپ کا سب کا حال یہ ہے کہ چیز کھوئی کہیں اور ہے، ڈھونڈ رہے ہیں کہیں۔

چیز جہاں کھوتی ہے وہیں ملتی ہے:

چیز کھوتی ہے دل میں اور ڈھونڈھ رہے ہیں کالجوں میں، لائبریریوں میں، امریکہ یورپ میں، پولیٹیکل پارٹیز میں، پارلیمنٹ میں، اسمبلیز میں، اور خدا کا قانون یہ ہے خدا کا قانون بدلا نہیں کرتا کہ جو چیز جہاں کھوئی تھی وہیں ملے گی، یہ خدا کا قانون ہے، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ جو چیز جہاں کھوئی وہیں اس کو تلاش کرو۔ اگر اندھیرے ہی میں گری ہے تو روشنی وہاں لے جاؤ، یہ ہو سکتا ہے لیکن اگر اندھیرے میں گری ہے اس لیے وہاں نہیں تلاش کرتے ہو اور روشنی میں تلاش کرنے آئے ہو کبھی نہیں ملے گی۔ (پرجوش تالیاں) تو بھائی وہ سیدھے سادے کوئی بزرگ تھے، بڑے میاں تھے، لیکن آج تو بڑے اسکالر، فلاسفر بھی کر رہے ہیں۔

چیز کھوئی ہے ہمارے دل میں، ہمارے ہر تنے میں، ہمارے پارٹ میں، ہمارے conscience میں اور ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں سیاست میں، ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں تہذیب میں اور سماجی کی جگہوں پر۔

بس بھائی وہ چیز کھوئی ہے ختم نہیں ہوئی ہے، کھوئی ہوئی چیز مل جاتی ہے، مری ہوئی چیز زندہ نہیں ہوتی، میں انسانیت کو سویا ہوا سمجھتا ہوں، مرا ہوا نہیں سمجھتا، انسانیت سو بار سوئی، سو بار جگائی گئی، خدا کے پیغمبر آئے، بڑے بڑے علم رکھنے والے بڑے بڑے دو دوان، خدا سے ڈرنے والے آئے، انہوں نے انسانیت کو جگایا، جاگ گئی، اگر مرگئی ہوتی تو کبھی زندہ نہ ہوتی۔

انسانیت مری نہیں سوئی ہوئی

ہے: آج بھی انسانیت مری نہیں ہے، سوئی ہوئی ہے، آئیے ہم آپ سب مل کر سوئی ہوئی انسانیت کو جگائیں، پہلے اپنے اندر جگائیں، اس کے بعد باہر جگائیں، ہم اگر جاگے ہوئے نہیں ہیں تو دوسروں کو بھی جگا نہیں سکتے، سویا ہوا سوئے ہوئے کو نہیں جگا سکتا، ایک جاگتا ہوا سینکڑوں سوئے ہوؤں کو جگا دیتا ہے لیکن سو سوئے ہوئے ایک سوئے ہوئے کو بھی جگا نہیں سکتے، اگر ہم سب سو گئے ہیں تو ہم سوتے رہیں گے ہم ایک دوسرے کو جگا نہیں سکتے، ہم میں ایک آدمی بھی جاگ اٹھے تو ہزاروں، لاکھوں سوئے ہوؤں کو جگا دے گا۔

اسی امید پر ہم لوگ پھر رہے ہیں، ہم اس ملک کو برباد ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، ہمیں یہاں رہنا بھی ہے، سفر بھی کرنا ہے، پڑھنا لکھنا بھی ہے، اس ملک میں آپ جیسے مصنف اور مورخ بھی ہیں، اسکالر بھی ہیں، یہ جو کچھ رونق ہے یہ سب امن وامان کی ہے نارمل حالات کی ہے، نارمل حالات نہ ہوں، بارش کا زمانہ ہوتا، بجلی چمک رہی ہوتی اور ذرا سا پانی برسنے لگتا، یا ایک کڑاکا ہوتا تو سارا مجمع منتشر ہو جاتا، اگر یہاں اس مجمع میں سانپ آجائے یا کوئی بچھو نظر ہی آجائے تو ابھی آپ سب تتر بتر ہونے لگیں گے، یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں یہ سب Normalcy کا نتیجہ ہے، نارمل حالات اگر ملک میں ہو گئے تو آپ اس ملک کو جتنا اونچا کیجئے، جتنا بڑھائیے علم و فن کی جتنی تحقیقات کیجئے آپ اس کو ٹکنالوجی میں، اور سائنس میں امریکہ بنا دیجئے اس سے بھی آگے بڑھا دیجئے، لیکن سب نارمل حالات میں ہوا ہے، وہاں بھی نارمل حالات میں ہوا ہے، یہاں بھی نارمل حالات میں ہو گا، بس ہم اس کے لیے پھر رہے ہیں، اور اپنا درد دوسروں کے سامنے رکھ رہے ہیں، ابھی ہم اپنے کو اکیلا محسوس کرتے ہیں، ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں پارٹیز میں، ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں لائبریریز میں، لیکن ہم اکیلے نہیں ہیں۔

مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں:

جب اتنا بڑا مجمع سیوان جیسے شہر میں ایک ذرا سی آواز پر جمع ہو سکتا ہے تو اس ملک سے مایوس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، یہ ملک جاگتا ہے اور دوسرے ملکوں کو انشاءاللہ جگائے گا، مگر ضرورت تھوڑی سی محنت کرنے کی ہے، ہمارے لیڈروں نے Country Nation Building کا کام تو کیا لیکن Building کا کام نہیں کیا، گاندھی جی کرنا چاہتے تھے ان کو پورا موقع نہیں ملا اور ان کے بعد جن لوگوں نے اس کام کا ارادہ کیا وہ سیاسیات میں پھنس کر رہ گئے، میں ان کی نیت پر حملہ نہیں کرتا لیکن یہ کام رہ گیا اب یہ کام ہمارے آپ کے جیسے آدمیوں کا ہے، سارے ملک میں آواز لگائیے سارے ملک میں ایک مہم چلائیے کہ اے آدمیو! اے انسانو! انسان بنو، ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو، اور دیکھو بہنیں اٹھیں گی، اور دیکھو لوگ تمہیں پاگل بنانا چاہیں گے، لوگ تم سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہیں گے، لوگ تمہیں Exploit کریں گے لیکن تم ایکسپلائٹ نہ ہونا، یہ آپ کو بتانے کی ضرورت ہے کہ اب فسادات کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہونا چاہیے۔ بداخلاقی ہمیشہ کے لیے بند ہونا چاہیے، انسان، انسان کو خدا کی نعمت سمجھے، اپنا بھائی سمجھے، سمجھے کہ اس کے بغیر تو زندگی کا لطف ہی نہیں اگر یہ فن ہم سیکھ لیں گے تو گویا ہم نے سب کچھ سیکھ لیا۔

وفات حسرت آیات

بڑے افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جاتی ہے کہ شام کے ایک ممتاز عالم دین شیخ

علامہ شیخ

حسن حبنکہ میدانی

کا مورخہ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ بروز دوشنبہ انتقال ہو گیا

انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی زندگی پر ایک مضمون اگلے شمارہ میں انشاءاللہ شائع ہوگا۔

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید

اس کی حقیقت اور ضرورت

سید سلمان حسینی ندوی

یہ مقالہ اسلامک اسٹڈیز کانفرنس منعقدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بتاریخ ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو پڑھا گیا۔

شریعت اسلامیہ پر تاریخ اسلامی کی نابغۂ روزگار شخصیتوں کے غور و فکر اور استنباط و تخریج کے نتیجہ میں وہ فقہ اسلامی وجود میں آیا جس نے صدیوں تک اسلامی دنیا پر حکمرانی کی آج بھی اور پھر آنے والے دور میں وہ حکمرانی کی صلاحیتوں سے بھرپور ہے اور رہے گا۔

حدیث نبوی میں ہر صدی کی ابتداء میں دین کے تجدیدی کام کی جو پیشین گوئی کی گئی ہے، تاریخ اسلامی اس کی تصدیق کے لئے اپنی گود میں سیکڑوں مثالیں رکھتی ہے، دین حنیف کی تجدید کا گرانقدر کام دین کے مختلف شعبوں میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے، جس طرح حضرت حسن بصری اسلامی روحانیت کے مجدد، حضرت عمر بن عبدالعزیز خلافت اسلامیہ کے مجدد، امام بخاری علوم حدیث نبوی کے مجدد ہیں، اسی طرح ائمۂ اربعہ شریعت اسلامیہ کے وہ عظیم مجدد ہیں جنھوں نے شریعت اسلامیہ کی حفاظت بھی کی، تبویب بھی کی، تجدید بھی۔

یہ تجدیدی کام ہر دور میں ہونا ناگزیر تھا اور ہوتا رہا۔ طحاوی ہوں یا خطابی، ابن دقیق العید یا عزالدین ابن عبدالسلام، ابن تیمیہ حرانی ہوں یا ابن قیم جوزی، سیوطی ہوں یا ابن ہمام یا حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی، یہ اور ان جیسے فقہائے محدثین اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

یہ تجدیدی کام جن بنیادی عناصر پر مبنی تھا۔ ان میں اپنے دور کے حالات، اجتماعی، سیاسی اور اقتصادی مسائل اور مشکلات سے واقفیت گذشتہ فقہاء و مجتہدین کے نتائج فکر و نظر کا احادیث صحیحہ کی روشنی میں جائزہ، تنقیح و تنقید اور ترتیب جدید خاص اہمیت کے مالک ہیں۔ جامع کبیر و جامع صغیر وغیرہ اور پھر مبسوط، اور پھر بعد کی کتب کا ترتیب وار جائزہ لیتے ہوئے ہدایہ تک آئیے تو کم سے کم یہ بات ضرور ملے گی کہ عصری تقاضوں کے مطابق تدوین و ترتیب جدید کا کام انجام دیا جاتا رہا ہے، اسی طرح کتاب الام سے شرح المہذب تک ان عظیم علماء کی علمی کاوشوں کا جائزہ لینے سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ تجدیدی کام کے وسیع میدان کا کوئی گوشہ کبھی تشنہ نہیں چھوڑا گیا بلکہ ہر گوشہ پر کام کیا جاتا رہا ہے۔

عام طور پر یہ لکھا اور کہا جاتا ہے کہ پانچویں صدی کی ابتداء سے اجتہاد کے دروازے بند ہو گئے اور آئندہ صدیوں کے لئے کسی ایک امام کی تقلید سے چارہ کار نہ رہا۔ یہ بات جہاں شرعی نصوص کے خلاف ہے وہاں تاریخ کے بھی خلاف ہے، فقہی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد کا کام مسلسل رہا اور کوئی دور بھی مجتہدین سے خالی نہیں رہا، خواہ وہ کسی قسم کے اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض وہ حقیقتیں جو تاریخ فقہ کی طبعی رفتار کا تقاضا تھیں۔ ان کو ہم نے شرعی یا قانونی حکم تصور کر لیا، ائمہ اربعہ اور ان کے دور میں کئی مستقل اور مطلق مجتہدین تھے جن میں بلا تکلف امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ثوری اور کچھ متاخر ابو داؤد ظاہری، ابن جریر طبری وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے — کا وجود اس کی دلیل نہیں کہ اجتہاد مطلق مستقل ان کی ذات پر منحصر تھا اور وہی اس صلاحیت کے مالک تھے۔ بعد کے لوگ اس درجہ کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کا زمانہ سابق میں ہونا، اور عہد نبوی سے قرب کی وجہ سے اجتہاد کے بعض شعبوں، خصوصیت سے رواۃ کے بارے میں قریب سے واقفیت رکھنے، بعد میں آنے والے لوگوں پر فائق ہونے کی بنیاد پر ان کو اجتہاد مطلق اور مستقل کا درجہ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز جرجانی حنفی، ائمۂ ثلاثہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں، یہی حال امام مزنی، زعفرانی وغیرہ کا امام شافعی کے ساتھ ہے۔ ان عظیم فقہاء و محدثین کا تعلق چونکہ امام ابو حنیفہ یا امام شافعی سے تلمذ کا تھا اس لئے ان کو مجتہد مطلق منتسب کہا جاتا ہے، لیکن شاگردوں کا استاذ سے بڑھ جانا نہ شریعت کے مخالف ہے نہ تاریخ کے نزدیک واقعہ ہے۔

تنقیح و تنقید اور تجدید کے کام کی مقدار، وسعت اور گہرائی میں جو فرق عام طور پر امتداد زمانہ سے آتا رہا وہ انسانی زندگی کے دوسرے شعبوں میں نقص و کمزوری سے کچھ مختلف نہیں لیکن جس طرح دعوتی اور روحانی شعبوں کے لئے مجددین آتے رہے اور شیخ عبدالقادر جیلانی سے حضرت مجدد سرہندی تک اسلام کی تازگی، حرارت و قوت، اور روحانی صلاحیتوں کی تجدید کا کام زور و شور سے کیا جاتا رہا۔ اور صحابہ کرام کے عہد کی یادیں تازہ ہو گئیں اسی طرح اسلامی تاریخ کا دامن کبھی بھی شریعت اسلامیہ میں تجدیدی کام انجام دینے والوں سے خالی نہیں رہا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کام ظاہری طور پر کس درجہ کامیاب رہا اور کتنے افراد نے اس کو قبول کیا، لیکن کام کرنے والے نے کام کر کے احقاق حق کر دیا، اور جس شعبے میں کام کا بیڑا اٹھایا اس پر پڑ جانے والی دبیز تہوں کو چاک کر دیا۔ اور شرعی عصری تقاضوں کے لئے بھرپور سامان مہیا کر دیا۔

میں فقہ اسلامی میں تجدیدی کام کی دو مثالیں اسی ہندوستان سے پیش کرتا ہوں کیونکہ ان کا سمجھنا ہمارے لئے زیادہ آسان ہوگا۔ ایک مثال حضرت اورنگ عالمگیر کی ہے جنہیں اسلامی قوانین نافذ کرنے کا جب اسی سرزمین ہند پر موقع ملا تو انہوں نے وقت کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق فقہ حنفی کی تشکیل جدید کا کام "فتاویٰ عالمگیریہ" کی شکل میں انجام دیا۔ اور وہ قانون ان کے طویل عرصۂ حکومت تک چلتا رہا اور ان کے بعد بھی کسی نہ کسی ناقص شکل میں وہ قانون نافذ کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد مغل سلطنت کو کوئی ایسا حکمراں نصیب نہ ہوا جو وقت کے رخ اور رفتار کا جائزہ لے کر پھر تشکیل جدید کا کام کرتا۔

اب علوم اسلامیہ کا وہ عظیم مجدد افق ہند پر ابھرا جس نے بڑی حکمت کے ساتھ اس سطحی علمی ماحول میں اپنا تجدیدی مشن شروع کیا اور تجدیدی کام کے اصول و حدود متعین کر کے اور اس کی "مصفّٰی" کی شکل میں ایک بہترین مثال پیش کر کے چلا گیا۔ اس نے بڑی بلند آہنگی سے اجتہاد کے مقفل اور پہرہ بٹھائے ہوئے دروازہ کو کھولا۔ اس نے کہیں اشاروں میں باتیں کہیں کہیں حکمت کے لطیف پیرایہ میں منزل مقصود تک لانے کی کوشش کی اور اس طرح اپنی عرضداشت رکھی۔

"إن في المذهب الحنفي طريقة أنيقة هي أوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت في زمان البخاري وأصحابه، وذلك أن يؤخذ من أقوال الثلاثة قول أقربهم في المسألة ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث فرب شيء سكت عنه الثلاثة في الأصول وما تعرضوا لنفيه ودلت الأحاديث عليه فليس بد من إثباته والكل مذهب حنفي۔"

اس دعوت کا اعلان انہوں نے اس وقت کیا جب کہ انہوں نے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی کہ امام ابو یوسف اور امام محمد بھی مجتہد مطلق ہیں۔

یہاں پر یہ بات یاد رہے کہ اس طریقہ پر عمل کرنے سے ائمۂ اربعہ کے مابین صرف ۱۵-۲۰ مسائل میں فرق رہ جاتا ہے اور شاہ صاحب کی اصل دعوت اسی جمع بین المذاہب کی تھی۔ ایک سائل نے جب ان سے ان کے فقہی مسلک کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا:

"إني أجمع بين المذاهب الفقهية المشهورة ما أمكنني، مثلاً أؤدي الصلاة والصوم والوضوء والغسل والحج على وضع يحكم عليه أهل جميع المذاهب بالصحة، فإذا تعذر الجمع بينهما فإني أختار أقوى المذاهب من حيث الدليل وموافقة الحديث الصريح وقد رزقني الله سبحانه وتعالى من العلم بحيث أتمكن من تمييز القوي من الضعيف وأفتي كل مقلد بمذهبه حسب مذهبه الذي يتبعه۔"

یہاں پر یہ بحث مناسب نہ ہوگی کہ شاہ صاحب مجتہد تھے یا نہیں تھے لیکن اتنی بات

بلکہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب مجتہد مطلق منتسب تھے لیکن ان کا انتساب صرف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہ تھا بلکہ وہ اخذ بالمذاہب الاربعہ کے قائل تھے کیونکہ ان کا عمیق مطالعہ یہ کہتا تھا کہ ان اماماں امت نے مسائل شریعت کا استیعاب کر کے کسی پانچویں مسلک کی ضرورت نہ چھوڑی (ملاحظہ فرمایئے عقد الجید) اس دور میں جس تجدیدی کام کی ضرورت اس مجدد نے محسوس کی اور پھر اس کی حکیمانہ اور متوازن دعوت دی وہ کام ان عناصر سے مرکب تھا۔

۱۔ اجتہاد ضروریات ہے اس کا ہر دور میں پایا جانا لازمی ہے اجتہاد کے معدوم ہونے سے نئے مسائل کے لئے بلکہ پرانے مسائل میں پیدا ہونے والے نئے حالات کا حل تلاش کرنے سے فقہ عاجز ہونے لگتا ہے اور اس میں جمود اور تعطل پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۔ فقہی ذخیرہ کو جس میں ہر دور میں مسائل کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، کھنگالتے رہنا چاہئے اور جہاں بھی دلیل کی کمزوری ظاہر ہو جائے وہاں اس مسئلہ کو ترک کرنے میں ذرہ برابر تردد نہ کرنا چاہئے۔

۳۔ علماء کو عامیوں کی سی تقلید سے بلند تر ہونا چاہئے۔ ان کے لئے کم سے کم درجہ مجتہد الفتویٰ کا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ مجتہد مطلق منتسب کا۔ بحیثیت مجتہد الفتویٰ کے کہ جس کا مطالعہ اپنے مسلک کی کتابوں تک محدود ہوتا ہے اور ان میں اس کو درک حاصل ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ احادیث کا تتبع کرتا ہو۔ اگر کسی صحیح روایت سے اس کے مسلک کی مخالفت ہو رہی ہو تو اپنا مسلک ترک کر دے۔ پھر اس سوال کو اٹھاتے ہوئے کہ کیا وہ شخص جو اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا اپنے مسلک کے خلاف حدیث پر عمل کر سکتا ہے جواب دیا ہے کہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح کسی مسئلہ میں دوسرے امام کی تقلید بھی کر سکتا ہے بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ آسانی اور رخصت کی خاطر بھی کسی مسئلہ میں کسی امام کا قول اختیار کر سکتا ہے اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا ہے:

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خیر اختار ایسر الامرین ما لم یکن اثماً"

اسی طرح اکثر علماء کے قول یا مشہور قول کے اتباع میں اپنا مسلک ترک کر دینا بھی درست قرار دیا ہے۔ انہوں نے مجتہد الفتویٰ کے احکام بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ کیونکہ اس وقت عام طور پر نصاب درس اور علماء کے رجحانات اور صلاحیتوں کے مطابق اسی اجتہاد کی عملی تشکیل ہو سکتی تھی۔

۴۔ وہ اصول فقہ کے نام سے ان تمام اصولوں کو در خور اعتنا نہیں سمجھتے جو فقہی تخریجات پر مبنی ہیں اور ائمہ کی سند ائمہ تک نہیں ملتی، وہ ان اصول فقہ کو اجتہاد کے لئے ضروری نہیں سمجھتے۔ (ملاحظہ ہو الانصاف) بلکہ چند مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ بان الخاص مبین ولا یلحقہ البیان، وان الزیادۃ نسخ وأن العام قطعی کالخاص وأن لا ترجیح بکثرۃ الرواۃ وأنہ لا عبرۃ بمفہوم الشرط والوصف، وانہ لا یجب العمل بحدیث غیر الفقیہ اذا انسد بہ باب الرأی بڑی صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے ان اصول کی روایت ثابت نہیں۔ اور ان اصول کا التزام اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات کا پرتکلف جواب دینا جیسا کہ بزدوی کی روش ہے متقدمین کا طریقہ نہ تھا۔ اور ان اصول کی مخالفت کرنے والا زیادہ حق بجانب ہے۔

۵۔ ائمہ اربعہ کے مسالک کو جمع کرنے کے سلسلہ میں انہوں نے بطور تمہید اس حقیقت کا انکشاف کیا کہ فقہ ائمہ اربعہ کا مرکز اتفاق موطا امام مالک ہے اس چشمے سے یکساں طریقے پر فقہ حنفی کے (اپنے استاد کے ساتھ) مؤسس اور جامع امام محمد اور فقہ شافعی کے مؤسس امام شافعی سیراب ہوئے اور فقہ حنبلی فقہ شافعی کی ایک شاخ ہے۔

۶۔ اس مجدد علوم اسلامیہ نے اجتہاد جزئی کو بھی جائز قرار دے کر آجکل کے سپیشلائزیشن کے طریقہ کی افادیت کو بھی ثابت کر دیا اور اس طرح آنے والے ہنگامہ خیز زمانہ کے لئے کشادگی در اجتہاد کی راہ میں آخری امکانی راہ بھی نکال دی۔

۷۔ حجۃ اللہ البالغہ کے "ساتویں مبحث" "مبحث استنباط الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم"، کو اپنے کلک زریں سے لکھ کر اجتہاد کی راہ کو ہموار اور آسان بنانے کی پوری کوشش صرف کی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں جس کے جمود و تعطل اور مسلکی عصبیت کی جھلک خود شاہ صاحب کی کتابوں میں دیکھی جاتی ہے شاہ صاحب نے ایک ایسا پروگرام پیش کیا اور اس نوعیت کا تجدیدی کام کیا کہ اگر اس کو سراہا جاتا اور اپنایا جاتا اور "مصفی" کی نہج پر کام کیا جاتا تو لگتا جس کی طرف ہمارے اسی شہر کے فقیہ و محدث یعنی مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے قدم اٹھایا تھا اور پھر افراط و تفریط کی آویزش نے انہیں آگے نہ بڑھنے دیا، تو آج اکبر و اقبال کو یہ نہ کہنا پڑتا:

حلقۂ شوق میں وہ جرأت اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوال تحقیق

اور اسلامی علوم کے جوئے شیر کے فرہاد کو بے تاب ہو کر متوجہ کرنے پر مجبور نہ ہونا پڑتا۔

آج بھی عالم اسلامی کے علماء کے سامنے مسائل حاضرہ دست بستہ کھڑے ہیں اور اپنا حل چاہتے ہیں۔ آج کا تجدیدی کام ولی اللہی تجدیدی کام سے دو منزل آگے ہے، آج نئے مسائل ہیں اقتصادی دنیا بالکل نئے ساز و سامان کے ساتھ آئی ہے، سیاسی دنیا نے بھی بہت سے نئے چولے بدلے ہیں، بیسیوں قسم کے ٹیکس بھی ہیں، زکوٰۃ بھی ہے، بینک بھی ہے، کارخانے، ملیں اور فیکٹریاں بھی ہیں اور قومی تعلقات کی نوعیت بھی نئی ہے۔ حکومت کا ڈھانچہ بھی بہت سی تبدیلیاں رکھتا ہے۔ تجارت کے نئے نئے اصول وضع کئے گئے ہیں، زرعی نظام بھی بدلا ہے۔ ہسپتال بھی ہیں، پوسٹ مارٹم بھی ہے، ریڈیو بھی ہے، ٹیلی ویژن بھی ہے نت نئے مواصلات اور ان کے بین الاقوامی اصول و ضوابط بھی ہیں۔ جانت جانت کے ذرائع ابلاغ بھی ہیں اور یہ سب چیزیں ہمارے لئے مسئلے بھی ہیں لیکن مسئلہ یہ ان سے دور ہے اور عزم کر کے جب وہ میدان میں آتا بھی ہے تو اسے سر نہیں مل پاتا کہ کہاں سے تمیز شروع کرے اور سب سے بڑھ کر وہ چیلنج جرمن، فرنچ اور برطانوی قوانین ہیں جو دفعات کی شکل میں مفصل اور واضح طور پر نہایت اپ ٹو ڈیٹ طریقہ میں موجود ہیں اور دنیائے اسلام انہی کے سہارے پر اپنا سیاسی، اقتصادی اور اجتماعی نظام قائم کئے ہوئے ہے۔ اب جب تک یہ موجودہ مغربی قوانین کی شکل میں اسی طرح مفصل، واضح اور اطمینان بخش اور اس سے زیادہ اپ ٹو ڈیٹ طریقہ پر فقہ اسلامی کو مدون نہ کی جائے گی تو مسلم پرسنل لا تو شاید محفوظ رہ جائے، اسلامی ممالک مغربی قوانین کی جہنم سے نہ نکل سکیں گے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اجتہاد کا کام گوناگوں نزاکتیں بھی رکھتا ہے۔ اس خارزار وادی میں سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے، نفسانیت اور اغراض سے بالاتر ہو کر خوف خدا اور تقویٰ شعاری کے ساتھ تحقیق و کاوش کا حق ادا کر کے حاصل ہونے والے اس نتیجہ کو اجتہاد کہا جائے گا جس پر علماء و غیر مستفق ہوں۔ علماء اجتہاد کی اجازت دینے سے انہیں نزاکتوں کی وجہ سے ڈرتے ہیں۔ لیکن جہاں مسئلہ موت و حیات کی کشمکش کا ہو وہاں آپریشن کی نزاکتوں کے خوف سے آپریشن ترک کر دینا فہم و دانائی کی بات نہیں۔ اسی طرح جہاں کفر و ایمان، الحاد و بے دینی کا مسئلہ ہو وہاں ان نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے اقدام کرنا پڑے گا۔ لیکن یہ بات ہم علماء کی خدمت میں پوری طاقت اور بلند آہنگی سے کہیں گے اور ان کو توجہ دلائیں گے کہ آپ کی قیادت دینی قیادت ہے اور آج آپ کو اس قیادت کے لئے بلکہ اجتماعی زندگی کی کشتی کو کھینے کے لئے بڑھنا ہوگا اور امت کو موجودہ مشکلات اور مسائل کے بھنور سے نکالنا ہوگا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہم اپ ٹو ڈیٹ مولویوں یا عربی کی معمولی شد بد رکھنے والے حضرات سے یہ عرض کریں گے کہ آپ موجودہ دنیا سے زیادہ واقف ہیں اس لئے آپ کی ذمہ داری ہے کہ موجودہ حالات کا مکمل اور واضح تصور علماء کی خدمت میں پیش کیجئے۔ لیکن آپ خود اجتہاد نہ کرنے لگئے جس طرح موت و حیات کی کشمکش کے باوجود آپریشن ڈاکٹر ہی کرتا ہے بیمار نہیں، اسی طرح کفر و ایمان کی اس کش مکش کا مقابلہ کرنے کے لئے اجتہاد وہی علماء کریں گے جو اجتہاد کے بنیادی شرائط اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اصول فقہ کی ہر کتاب میں اجتہاد کے شرائط موجود ہیں جن میں عربی زبان کے علم پر کامل قدرت، کتاب و سنت سے گہری واقفیت، اجماعی مسائل، ناسخ و منسوخ اور اجتہادات صحابہ و تابعین و ائمہ مجتہدین کا وسیع علم بھی شامل ہیں۔

علماء سے میری مراد یہ نہیں کہ وہ کسی رسمی دینی ادارہ یا عربی مدرسہ کے سند یافتہ فارغ التحصیل ہوں بلکہ علماء وہ بھی ہیں جنہوں نے اس علم کی تحصیل کسی راہ سے بھی کی ہو۔ مشرق و مغرب کے کسی بھی ادارہ یا یونیورسٹی میں رہ کر علوم اسلامیہ میں انہوں نے زندگی گذاری ہو، یقیناً وہ علماء ہیں اور انہیں اپنی استعداد کے مطابق تجدیدی کام میں حصہ لینے کا حق پہنچتا ہے لیکن اجتہاد کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ موجودہ دنیا بہت بدل گئی ہے، اور اسلام کو اس کے ساتھ چلنا ہے۔ لہٰذا عمل قطع و برید کے ذریعہ اسلام کو عصر حاضر کے چوکھٹے میں فٹ کرنا ہے اور سود سے چارہ کار نہیں اس لئے اس کے جواز کا فتویٰ دینا ہے۔ انشورنس جس جس طرح رائج ہے اس کے قبول کئے بغیر چارہ نہیں اس لئے تحلیل پیدا کرنا ہے مصلحت کے نام پر بنیادی اصول سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

یہ بات ذہنوں میں صاف ہو جانی چاہئے کہ اگر ایک طرف حقیقی تقاضوں کی اصول شرعیہ کی روشنی میں رعایت ضروری ہے تو دوسری طرف جو غلط نظام ہائے زندگی رائج ہو چکے ہیں ان کا قطعی رد کرنا یا ان کے متبادل نظام ہائے زندگی کو رواج دے کر ان کو ناکام بنانا بھی ضروری ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود

از: مولانا سعید الاعظمی ندوی

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی صبح کو شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آکاش وانی نے ۱۷ اکتوبر کی رات کو مجمل خبر نشر کی تھی لیکن بی بی سی ریڈیو نے تفصیل سے خبر سنائی، یوں تو کسی حادثہ کی خبر غیر متوقع نہیں ہونی چاہیے لیکن شیخ الازہر کے انتقال کی خبر معلوم کر کے شدید صدمہ ہوا، اس لئے کہ ان کی صحت ان دنوں اچھی تھی، سنہ ۱۹۷۷ء میں وہ سخت بیمار ہو گئے تھے اور تقریباً ایک ماہ تک سلسلہ علالت قائم رہا، اسی زمانے میں ندوۃ العلماء کا ایک دو رکنی وفد مصر میں موجود تھا اور شیخ الازہر کی دعوت پر ان کے مہمان خاص کی حیثیت سے وہ مصر کے نظام تعلیم، وہاں کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں، وہاں کی یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں رائج نصاب تعلیم کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس وفد کے ایک رکن مولانا محمد واضح رشید ندوی ایڈیٹر پندرہ روزہ "الرائد" تھے، راقم الحروف کو بھی اسی وفد کی رکنیت کی سعادت حاصل تھی، وفد کا قیام تقریباً ڈیڑھ ماہ قاہرہ میں رہا، اس اثنا میں کئی بار شیخ الازہر سے ملنے اور ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی عزت حاصل ہوئی، اور سچ تو یہ ہے ان کی پرکشش شخصیت نے ہمارے دلوں پر ایک گہرا نقش چھوڑا، ہم لوگ ان کی خاکساری، ان کی علمی وجاہت اور ان کی دینداری سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں منعقد ہونے والے ندوۃ العلماء کے بین الاقوامی جشن تعلیمی کی صدارت انہوں نے بڑی خوشی سے قبول کی تھی، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بہت احترام کرتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ اس جشن تعلیمی کی صدارت عالم اسلام کی سب سے بڑی علمی اور پرشکوہ شخصیت شیخ الازہر کریں، چنانچہ شیخ الازہر ازہر شریف اور مصری حکومت کا ایک ۸ رکنی وفد لے کر تشریف لائے اور جشن کی کامیابی میں انہوں نے بڑا رول ادا کیا۔

وہ اس سے پہلے بھی سنہ ۱۹۷۴ء میں ہندوستان تشریف لا چکے تھے، اس موقع پر وہ دہلی، علی گڑھ اور دیوبند گئے، ندوہ کی طرف سے اس وقت بھی ان کو دعوت دی گئی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے اپنا خاص خط دے کر ہم لوگوں کو دہلی بھیجا تاکہ ان کو براہ راست وہ دعوت نامہ دیا جا سکے اور لکھنؤ آنے کے لئے وقت لینے میں دشواری نہ ہو، لیکن شیخ الازہر کا پروگرام بہت زیادہ مشغول تھا وہ دوسرے ہی دن واپس تشریف لے جانے والے تھے اس لئے معذرت کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا، انہوں نے بڑی معذرت کی اور کسی دوسرے موقع سے خاص طور سے ندوہ آنے کا وعدہ فرمایا چنانچہ انہوں نے تھوڑے ہی دنوں کے بعد جشن کی صدارت کر کے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا۔

اس صدی کے چھٹے دہے میں جب مصر میں کمیونسٹوں کا زور بہت بڑھ گیا تھا اور وہ بہ تکلف مصر کے مذہبی رنگ کو ختم کرنے کے لئے سارے وسائل استعمال کرنے لگے تھے اور ازہر کو ان کی وجہ سے بڑا خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس وقت شیخ الازہر نے جرأت ایمانی سے کام لے کر ان کی سخت مخالفت کی اور نہ صرف الازہر کو بلکہ پورے ملک کی اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے میں انہوں نے بڑا کردار ادا کیا، وہ نہ حکومت سے ڈرے اور نہ کوئی اور بڑی طاقت ان کی غیرت کو چیلنج کر سکی، یہ تنہا انہیں کی بھاری بھرکم شخصیت تھی جو اس سیلاب پر بند تعمیر کر سکی اور جس نے الازہر کی انفرادیت کو تحلیل ہونے سے بچا لیا۔

شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود بلبیس کے قریب شرقیہ کے مقام [illegible] سنہ ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے، گھر ہی پر تعلیم کے بعد گاؤں کے مکتب میں قرآن حفظ کیا، اور حافظ ہونے کے بعد جامع ازہر میں داخل ہوئے ۱۹۳۲ء میں انہوں نے عالمیت کی سند حاصل کی، اور اسی سال اپنے خرچ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے فرانس گئے اور پیرس کی سوربون یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں انہوں نے علم النفس اور علم الاجتماع اور تاریخ مذاہب کے موضوع پر خاص طور سے تیاری کی، اور ان سب مضامین میں اعلیٰ تعلیم کی ڈگری حاصل کی، سنہ ۱۹۳۷ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامع ازہر کے طلبہ کا جو وفد پیرس گیا تھا اس کے ایک رکن آپ بھی تھے اور اسلامی تصوف میں پی۔ ایچ۔ ڈی کیا، سنہ ۱۹۴۰ء میں آپ نے "محاسبی" کے اوپر ایک شاندار رسالہ تیار کیا اور اس پر آپ کو اعلیٰ امتیاز کے ساتھ دکتوراہ کی ڈگری دی گئی، ڈاکٹر ہونے کے بعد مصر واپس آ کر عربی زبان کالج میں نفسیات کے استاد ہوئے، اور سنہ ۱۹۵۱ء میں فلسفہ اسلامی کے استاد کی حیثیت سے آپ ازہر کے شریعت کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۹۶۴ء میں آپ اسی کالج کے ڈائرکٹر ہوئے اور مصر کے اسلامیاتی تحقیقی ادارہ مجمع البحوث الاسلامیہ کے رکن قرار پائے، اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ اس ادارہ کے سکریٹری جنرل ہو گئے، سنہ ۱۹۷۰ء میں ازہر یونیورسٹی کے سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے اور سنہ ۱۹۷۱ء میں امور مذہبی اور ازہر کے وزیر ہوئے اور سنہ ۱۹۷۳ء میں شیخ الازہر کا منصب آپ کو دیا گیا اور اس کے بعد سے برابر آپ اس اعلیٰ عہدہ پر قائم رہے۔

شیخ الازہر نے اس پوری مدت میں جو ازہر کے مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر گذاری، سب سے اہم کام انجام دیا وہ تھا ازہر کے گرتے ہوئے مقام و اعتبار کو واپس لانا چنانچہ انہوں نے ازہر کے معیار کو اونچا کرنے اور اس کی اہمیت کو اندر اور باہر ہر جگہ از سر نو قائم کرنے کے لئے بہت محنت کی، اور وہ اس میں پوری طرح کامیاب رہے۔ ایک زمانہ میں ازہر کے طلبہ کی تعداد بہت کم ہو گئی تھی اور باہر کے اسلامی ممالک سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی آمد بالکل بند ہو گئی تھی مگر شیخ الازہر نے حالات کو معمول پر لانے اور ازہر کو دوبارہ علم کی پیاس بجھانے والوں کے لئے کھلوانے میں بڑی مدد کی، چنانچہ ازہر کا معیار تعلیم بہت اونچا ہوا اور لوگ قاہرہ یونیورسٹی کے مقابل میں ازہر یونیورسٹی میں پڑھنے کو ترجیح دینے لگے۔

شیخ الازہر اپنے تعلیمی اور تبلیغی مشن کو پورا کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر بھی کرتے رہتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دنیا بھر کے اسلامی ممالک کے علاوہ یورپ و امریکہ کا بھی بار بار دورہ کیا، وہ ابھی نومبر سنہ ۱۹۷۷ء میں امریکہ گئے تھے، اور واشنگٹن میں بر سر اقتدار لوگوں سے ملاقات کی، اور امریکی صدر جمی کارٹر سے مل کر اور اسرائیل اور بیت المقدس کے بارے میں نہایت جرأت اور دلیری کے ساتھ ان سے گفتگو کی اور اپنا موقف ان کے سامنے پیش کیا، اسرائیل کے امن معاہدہ کے بارے میں ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک فلسطینیوں کے پورے حقوق ان کو واپس نہیں مل جاتے اور اسرائیل عرب سرزمین اور بیت المقدس سے پوری طرح دست بردار نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس علاقہ میں امن کا قیام ایک ناممکن سی بات ہے۔

شیخ الازہر نے فکری اور علمی میدان میں بھی بڑا رول ادا کیا ہے، تقریباً ۵۰ کتابیں ان کے قلم سے نکل چکی ہیں جن میں بڑی تعداد مستقل تصنیفات کی ہے اور کچھ ایسی ہیں جن کو انہوں نے ایڈیٹ کیا ہے۔ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں۔ "اسلام میں فلسفیانہ نقطۂ نظر" "مسلمان فلسفی" "یورپ اور اسلام" "ابوالحسن شاذلی" "قرآن، قرآن کے جیسے ہیں" "حج مبرور" "محاسبی اور عطاء اللہ سکندری" کچھ کتابوں کے فرانسیسی زبان سے ترجمے بھی کئے ہیں جیسے "محمد رسول اللہ" "اخلاقی مسئلہ" "یونانی فلسفہ" "اخلاق اور فلسفہ جدیدہ" کئی اہم ترین کتابوں کی تحقیق و اشاعت ان کی علمی اور فکری رہنمائی و نگرانی میں ہوئی، یہ کتابیں علوم اسلامی اور [illegible] کی حیثیت رکھتی ہیں جیسے سیوطی کی جامع کبیر، اور ذہبی کی تاریخ اسلام، اور بغوی کی معالم التنزیل۔

۱۸ اپریل ۱۹۷۶ء کو شیخ الازہر نے لندن میں پاپائے اعظم "کانٹربری" سے ملاقات کر کے ان سے اور برطانیہ کے سبھی پادریوں سے فلسطینی پناہ گزینوں پر ڈھائے جانے والے بے پناہ مظالم کو روکوانے کی درخواست کی تھی اور انہوں نے پاپائے اعظم سے یہ کہا تھا کہ یہ مسئلہ صرف سیاسی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت ایک اجتماعی مسئلہ کی ہے جو پوری انسانیت کے لئے چیلنج ہے، انہوں نے توجہ دلاتے ہوئے کہا تھا کہ اس مسئلہ سے نظریں پھیر لینا اور حق و انصاف کی حمایت نہ کرنا بجائے خود بڑی ناانصافی اور بڑا ظلم ہے۔

عصر حاضر میں جامع ازہر کے لئے جو بنیادی کام انہوں نے تجویز کیا تھا اور جن پر خاص طور سے توجہ دی تھی وہ یہ تھا کہ:

- غیر ممالک میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت۔
- اندرون ملک ہر ایسے کردار و عمل کی مخالفت جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو۔
- ایسے عقائد و افکار کے خلاف محاذ آرائی جن کا تعلق اسلام سے کسی حال میں نہ ہو جیسے قادیانیت، کمیونزم وغیرہ۔

ان کا مشہور مقولہ ہے کہ "کمیونزم کسی حال قابل قبول نہیں ہے اسلئے کہ اسلام سے اس کا تعلق کسی طرح بھی [illegible]

مولانا وجیہ الدین صاحب ندویؒ

از: مولانا سعید الاعظمی ندوی مدیر البعث الاسلامی

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۸ء سنیچر اور اتوار کی درمیانی شب میں رفیق محترم مولانا وجیہ الدین صاحب ندوی ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے، اس کی مصیبتوں، پریشانیوں اور اس کی بے وفائیوں سے منہ موڑ کر راہی آخرت ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا ادھر ایک عرصہ سے بیمار تھے اور تقریباً ۲ ماہ سے صاحب فراش ہو گئے تھے ان کو جگر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا اور لاکھ علاج کے باوجود وہ دور نہ ہوا اور بالآخر وہی ان کا آخری مرض ثابت ہوا، یہ ایک ہفتہ کی مدت میں اہل ندوہ کے لئے دوسرا سنگین حادثہ تھا، ۱۷ر اکتوبر کو شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود کے انتقال کی خبر سے فضا سوگوار ہوئی تھی اور ابھی یہ سوگواری پوری طرح دور نہ ہونے پائی تھی کہ ۲۰ر اکتوبر کی رات میں یہ واقعہ پیش آیا اور اس نے سب کے دلوں کو غمناک اور آنکھوں کو نمناک بنا کر رکھ دیا۔

مولانا وجیہ الدین صاحب بردوئی ضلع کے ایک دیہات اسی اعظم پور کے رہنے والے تھے، اور بچپن ہی میں وہ ندوہ آ گئے تھے۔ انہوں نے ندوہ میں بالکل ابتداء سے تعلیم حاصل کی تھی وہ اس حیثیت سے مکمل ندوی تھے، وہ علم و دین کے لحاظ سے ایک خالص دیندار عالم کی مثال تھے اور اخلاق و ادب کے لحاظ سے ایک سچے اور متواضع و خاکسار انسان تھے، نہ کبھی کسی نے ان کو غصہ کرتے دیکھا، نہ کسی کو جھڑکتے ہوئے پایا، نہ کسی کی شکایت اور برائی کرتے ہوئے سنا، اور نہ اپنی بڑائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی نظر آئے، وہ اتنے خاکسار تھے کہ چھوٹا طلبہ کو بھی بڑا مان کر ان سے بڑے جیسا سلوک کرتے تھے، دینداری میں اپنی مثال آپ تھے، نماز با جماعت کے پابند، شعائر اسلامیہ پر کاربند، اور ذکر و تلاوت اور نوافل کا اہتمام کرنے والے تھے، یہی وجہ تھی کہ وہ ہر شخص کی نظروں میں محترم اور معزز تھے، ان کو لوگوں سے شکایتوں کے بہت مواقع ملے اور بارہا دوستوں نے ان کو ان کی خاکساری کی وجہ سے معاملات کے اندر نظر انداز کیا مگر وہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ کر رہ گئے اور کبھی کسی کی توہین کی نہ انتقام لیا۔

بارہا ایسا ہوا کہ طالب علمی کے زمانے میں ان کے درجے کے ساتھیوں نے کوئی ایسی بات بالاتفاق طے کی جس میں استاذ کی شان میں گستاخی کا شائبہ نکلتا تھا تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور اس سے الگ تھلگ رہے، کبھی نگراں کے حکم کی خلاف ورزی کرنے پر گروہ کے ساتھیوں نے ان کو تیار کرنا چاہا مگر وہ راضی نہیں ہوئے، اس وجود کی بنا پر جانے اس کے کہ ان کی عزت کم ہوتی پورے دارالاقامہ میں ان کا احترام بڑھ گیا، ورنہ کے ساتھ ان کی سادگی اور بے تکلفی سب کے لئے جاذب توجہ تھی، وہ اپنی وضع قطع کے لحاظ سے اس زمانے کی روایات کے بالکل برخلاف تھے، کوئی پہلی نظر میں انہیں دیکھ کر یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ یہ ندوہ کے طالب علم ہوں گے بلکہ وہ دیہات کے ایک سیدھے سادے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔ اکثر اوقات باہر سے آنے والا کوئی مہمان یہ سمجھنے سے قاصر رہتا کہ یہ یہاں کے طالب علم ہیں۔

طالب علمی کے بعد وہ مدرس ہوئے تو ان کے لباس اور وضع قطع میں کوئی فرق نہیں آیا، البتہ شیروانی انہوں نے ضروری سمجھی اور اکثر اسے پہنا کرتے تھے، وہ سادگی کے باوجود بہت خوش مزاج اور دلچسپ تھے، ہر بات میں حصہ لیتے اور اپنی رائے سے نوازتے تھے، وہ ندوی الفکر اور جامع صفات تھے، اقبال کے اشعار ان کو خوب یاد تھے اور موقع سے انہیں پڑھتے بھی تھے، طالب علمی کے زمانے میں صدر بزم خطابت تھے اور تقریر کی خاصی مشق کر لی تھی اس لئے مدرسی کے زمانے میں بھی اکثر سیرت وغیرہ کے جلسوں میں تقریر کرنے جایا کرتے تھے، اور بہت ہی اچھی اور موثر تقریر کرتے تھے۔

طالب علمی ہی کے زمانہ ۱۹۵۰ء میں ان کو ذہنی تکان کا ایک بار غلبہ ہوا اور عرصہ تک قائم رہا، اس نے ان پر بہت برا اثر ڈالا، اسی سے اعصاب ان کی صحت متاثر ہوئی، اور کچھ بجھے بجھے رہنے لگے، علمی استعداد پختہ ہونے کے باوجود بڑی کتابیں جن میں بہت محنت کرنی پڑتی ہے پڑھانے سے ایک حد تک گریز کرتے تھے لیکن مشکوٰۃ شریف پڑھانے میں وہ بڑا نشاط محسوس کرتے تھے اور اس کی تیاری مطالعہ کے ذریعہ کر کے پڑھایا کرتے تھے، اور اس کے پڑھانے کے لئے وہ وضو کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

ابتدائے مدرسی میں جب تنخواہیں بہت کم تھیں تو تکلیف گوارا کر کے کچھ پیسے بچا لیتے تھے تاکہ اپنی والدہ صاحبہ کو بھیج سکیں، اس لئے کہ والد صاحب کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا، اس کے لئے انہوں نے دو ایک ٹیوشن بھی شہر میں کر لئے تھے اور روزانہ پیدل جاتے آتے تھے۔ کھانے کے معاملے میں بھی کفایت شعاری ملحوظ رکھتے تھے تاکہ مطبخ کا بل کم آئے اور تنخواہ کے کچھ پیسے ہاتھ آ جائیں تو ضروریات کے علاوہ وہ اپنے گھر بھیج سکیں، چائے بالکل نہیں پیتے تھے مگر ۱۹۷۰ء میں جب وہ میرے کمرہ میں ساتھ رہے تو میری وجہ سے ان کو بھی چائے کی عادت ہو گئی، اور آخر تک رہی۔

میں نے ان کو ہمیشہ یکساں حالت میں دیکھا، حالات کے اتار چڑھاؤ کے باوجود ان میں کسی طرح کا اتار چڑھاؤ نہیں پیدا ہوا، نہ ان کی تواضع میں فرق آیا، نہ تعلقات میں کمی ہوئی اور نہ وضع داری ترک کی، جس سے جو تعلق تھا وہ آخر تک قائم رہا، تعلقات کو نبھانا ان کی ایک ایسی ادا تھی جو قابل تقلید ہے، شہر میں جن لوگوں سے تعلق قائم ہوا وہ زمانے کے ساتھ ساتھ اسی طرح قائم اور تر و تازہ رہا جس طرح روز اول میں تھا۔

مولانا وجیہ الدین ندویؒ ایک صالح ترین فرد، ایک باخبر عالم دین، اور ایک با اخلاق انسان تھے وہ زمانے کے حالات سے واقف تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، وہ دنیا میں پائے جانے والے نظریات و افکار اور مشرق و مغرب کی کشمکش سے بھی آگاہ تھے، اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک عالم دین کی جو شان ہونی چاہئے اس سے بے خبر نہ تھے۔

افسوس وہ عمر کی اس منزل میں رخصت ہو گئے جب زمانہ کو ان کی ضرورت تھی، ۴۵ سال کی عمر نوجوانی کی عمر ہی شمار ہوتی ہے، ان کے تمام رفقاء اس وقت نوجوان نظر آتے ہیں، اور کسی نہ کسی کام سے لگے ہوئے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ وہ دنیا کے آزار سے نجات پا کر سعادت اخروی کی راہ لیں، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کے ساتھ بہترین معاملہ فرمایا ہوگا اور ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دی ہوگی۔

پس ماندگان میں اہلیہ اور ایک بچہ محمد رفیع اور چار بچیاں ہیں، جنمیں بھی ہیں جو شادی شدہ ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائیں اور ان کے اہل و عیال اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور ہم سب کا خاتمہ ایمان و اطاعت پر فرمائیں۔ (آمین)

"کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام"

بقیہ صہ: فقہ اسلامی کی تشکیل جدید...

سوال مشکل کا علاج سود کے جواز کا فتویٰ نہیں سودی بینکوں کا خاتمہ اور غیر سودی بینکوں کا قیام ہے سیاسی مسلمتوں کا تابع بن کر اسلامی اصول کا سودا کرنا علاج نہیں۔ حالات کا رخ بدل کر اسلامی اصول کا تابع بنانا علاج ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے علی گڑھ کی کانفرنس میں یہ کہا تھا: اسلام مرغ باد نما نہیں جو ہوا کا رخ بتاتا ہے"۔ آج ہم پھر اس حقیقت کو دہراتے ہیں کیونکہ امت اسلامیہ کو ان متجدد مجتہدین سے بھی خطرہ لاحق رہتا ہے جو اسلام کو ماڈرن ناٹز کرنے کا نام اجتہاد رکھتے ہیں۔ وہ غلط حالات سے پنجہ آزمائی کی طاقت نہیں تو اسلامی مسائل میں مشکلوں اور دشواریوں کا بہانہ کر کر ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

آخر میں اس جرأت کی معافی چاہتا ہوں، میری یہ معروضات طالب علمانہ سوالات یا مطالبات کی حیثیت رکھتی ہیں، میری یہ خواہش ہے کہ اس کا جواب اب عملی شکل میں دیا جائے۔

بقیہ صہ۳ اداریہ: حدیث میں آیا ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوگا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے مال، اہل و عیال اور اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو۔

قربانی کا یہی وہ واحد راستہ ہے جس پر چل کر اللہ کے کچھ بندوں نے پوری انسانیت کی قسمت بدل دی تھی اور اپنی حقیقت سمجھ لی تھی خدا کی نصرت کے حصول کے لئے آج بھی یہی واحد راستہ ہے، اور یہی ایسا راستہ ہے جو مسلم و غیر مسلم ہر قسم کی حکومت میں مسلمانوں کے لئے کھلا ہوا ہے اس لئے اس میں اکثریت و اقلیت اور آزادی و مجبوری کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔!!

Regd No. LW/NP 56 Phone:- 42948 / 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

مزید مسائل کے لئے ۲۵ ؍ اکتوبر کا شمارہ دیکھئے

کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تین دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دے۔ اور اگر بکری خرید لی تھی تو وہی بکری بعینہ خیرات کر دے۔

قربانی کی کھال یا تو یونہی خیرات کر دے یا بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دے وہ قیمت ایسے لوگوں کو دے جنکو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہ وہی پیسے خیرات کرنا چاہیے، اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اپنے پاس سے دے دیئے تو بری بات ہے مگر ادا ہو جائیں گے۔

اس کھال کی قیمت کو مسجد کی مرمت یا اور کسی نیک کام میں لگانا درست نہیں، خیرات ہی کرنا چاہیے۔

قربانی کی کھال کی قیمت سے مدرسہ کی عمارت بنانا یا مدرسین کی تنخواہ دینا بھی درست نہیں ہے۔ کسی میت کی تجہیز و تکفین میں صرف کرنا بھی درست نہیں ہے قربانی کی کھال قصاب کو اجرت میں دینا بھی درست نہیں ہے۔

اگر کھال کو اپنے کام میں لا دے جیسے اس کی چھلنی بنالی یا مشک یا ڈول یا جا نماز بنالی یہ بھی درست ہے۔

ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مفصل روداد

مرتبہ: مولانا محمد الحسنی ندوی

مدیر البعث الاسلامی (دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

○ ایک دستاویز ——— ○ ایک کہانی ——— ○ ایک پیغام

ندوۃ العلماء کے پچاسی سالہ جشن تعلیمی (منعقدہ نومبر ۱۹۷۵ء) کی مفصل رپورٹ جس کا آپ کو شدت سے انتظار تھا منظر عام پر آگئی ہے۔

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے ایما پر یہ روداد مرتب کی گئی ہے جس میں شیخ الازہر کا خطبہ صدارت، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا تاریخی خطبہ استقبالیہ اور اجلاس کی دوسری تقریریں، مولانا عبد السلام قدوائی ندوی کے قلم سے ندوۃ العلماء کے ماضی و حال اور مستقبل کا خاکہ، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے ہنگامے کے وقت کئے ہوئے ایمان افروز بیانات، اہم تقریروں اور مقالات کے خلاصے سب شامل ہیں۔

اس کے علاوہ اجلاس کے وسیع انتظامات اور تیاریوں اور اجلاس کے مناظر کی اس طرح تصویر کشی کی گئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے پڑھنے والا خود اجلاس میں شریک ہے اور تمام مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پوری کتاب دار العلوم کی خوبصورت عمارتوں کی تصاویر نیز دوران اجلاس نماز جمعہ کے دلفریب منظر سے بھی مزین ہے۔

○ خوبصورت رنگین دسٹ کور ——— ○ ودہ زیب گٹ اپ

ضخامت: ۲۰۰ صفحات علاوہ تصاویر — قیمت: مجلد صرف ۱۵ روپے

ملنے کے پتے: (۱) مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس ۹۳، لکھنؤ
(۲) کتب خانہ رشیدیہ، جامع مسجد، اردو بازار، دہلی

سیرت

مولانا سید محمد علی مونگیری

بانی ندوۃ العلماء

(از مولانا سید محمد الحسنی مدیر البعث الاسلامی)

مولانا سید محمد علی مونگیری بانی و ناظم ندوۃ العلماء کی سیرت ندوۃ العلماء ایک ضرورت تھا جن کی شخصیت اور ان کی خدمات اس کی مستحق تھیں کہ ان کا تذکرہ ندوۃ العلماء کی تاریخ میں بلکہ ہندوستان کی اصلاحی اور دعوتی تاریخ میں محفوظ ہو جائے اور اس کا شایان شان تعارف کرایا جائے۔

پیش نظر کتاب میں مولانا کی شخصیت کے پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا مقدمہ ہے۔

——— قیمت ———

مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

ایک نیا ستون بنیاد رکھیے!

ماء اللحم خاص

قبل از وقت بوڑھوں اور غیر صحت مند نوجوانوں کے لئے بہترین تحفہ ہے۔ تازہ پھلوں قیمتی دواؤں اور بہترین غذاؤں سے جدید طریقہ پر تیار کیا جاتا ہے

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

پرنٹر، پبلشر، مسئول سید محمد الحسنی نے تاج آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی

تعمیر حیات میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجیے